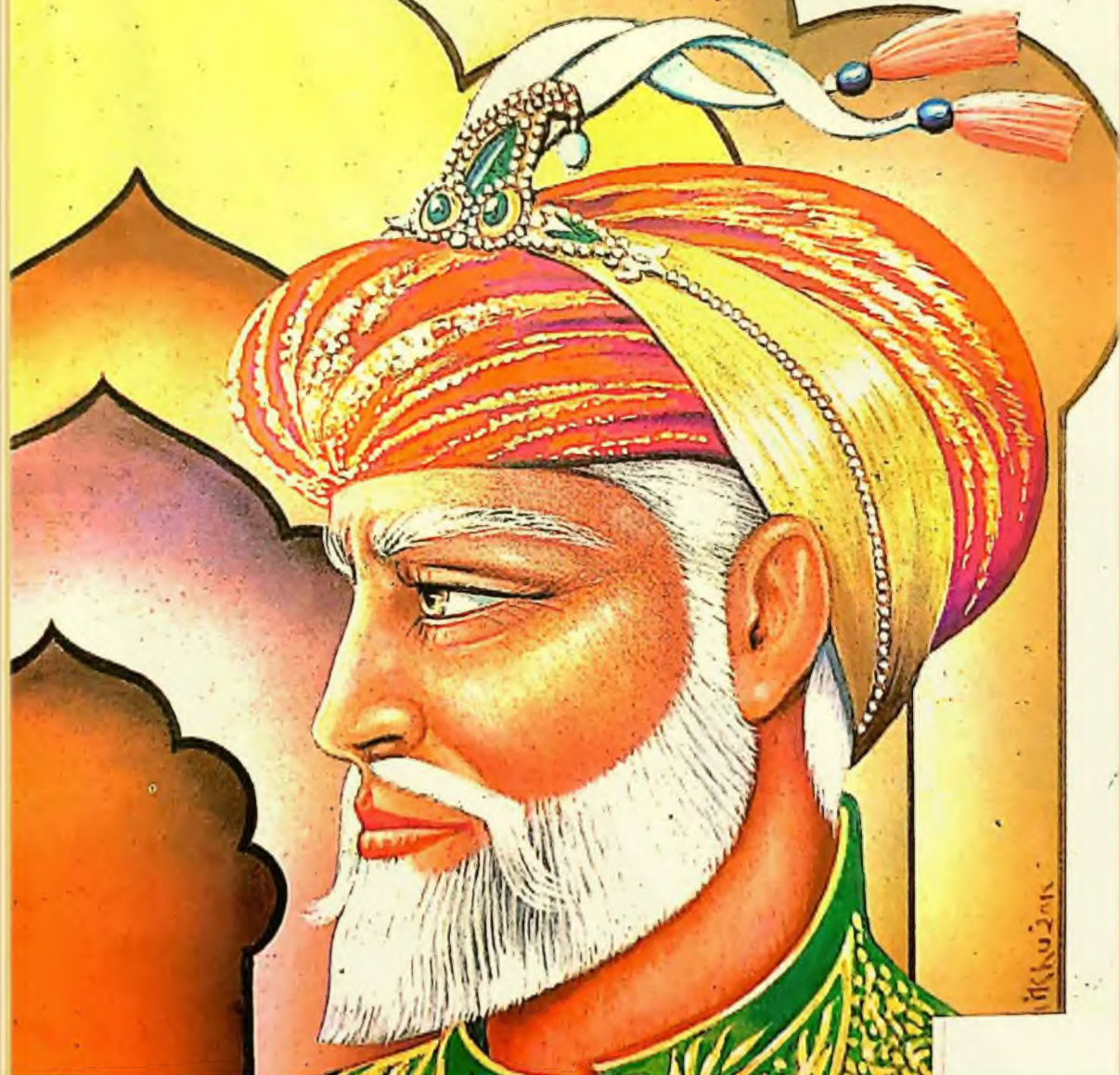


مُحَمَّدٌ الدِّينِ اور نیکو عالمگیر



toobaa-elibaray.blogspot.com

Ac

داخلہ نمبر K1. 121
تاریخ 29-3-2017

داخلہ نمبر K1-300
5-4-2017

اورنگ زیب عالمگیر

(اضافہ شدہ ایڈیشن)

سعدی شکروری

اُس مسلمان درویش بادشاہ کی سرگزشت، زندگی
بہر جس کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں قرآن رہا۔

وجید بک سنٹر

کمرہ نمبر 5/4۔ دوسری منزل، سٹار سائنس مارکیٹ
ٹیکہ اہلی والا، آبکاری روڈ، لاہور



toonda-elibrary.blogspot.com

سوانح عمری

انتساب

ہمدرد ملک و ملت محترم حکیم محمد سعید صاحب چیتہ رہن
ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان
بانی مدینہ التحکمت، موسس شام ہمدرد
کے نام
جو اچھے علم و حکمت اسلامی کے لیے گرانقدر خدمات
انجام دے رہے ہیں۔

سعدی سنگھ دہری
۲۵۔ مئی ۱۹۹۱ء

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

ناشر : محمد رفیق چودھری

مطبع : ناصر اینڈ برادرز پرنٹرز، لاہور

اشاعت : ۱۹۹۸ء

فہرس

- ۱۔ تمہید ۷
- ۲۔ نام و نسب ۱۱
- ۳۔ ولادت ۱۹
- ۴۔ اورنگ زیب اپنے خطوط کے آئینہ میں ۴۵
- ۵۔ داراشکوہ اور اس کا مذہب ۵۷
- ۶۔ شاہجہان کے نام ۶۶
- ۷۔ قتل شجاع ۶۹
- ۸۔ رسم تخت نشینی ۷۳
- ۹۔ قتل مراد ۷۴
- ۱۰۔ اصلاحات ۷۶
- ۱۱۔ وفات عالمگیر ۸۲
- ۱۲۔ وصیت نامہ عالمگیری ۸۳
- ۱۳۔ عمومی رائے ۸۷
- ۱۴۔ اولاد ۹۳

- ۹۵ ۱۵۔ اورنگ زیب عالم گیر کے شب و روز
- ۱۰۰ ۱۶۔ اورنگ زیب تاریخ کے آئینہ میں
- ۱۱۵ ۱۷۔ اورنگ زیب عالم گیر اور مؤرخین
- ۱۲۷ ۱۸۔ اورنگ زیب عالم گیر اور سرحد
- ۱۳۶ ۱۹۔ اسلام اور سکھ مذہب
- ۱۴۹ ۲۰۔ پاکستان میں سکھوں کے متبرک مقامات
- ۱۵۳ ۲۱۔ نظام حکومت پر ایک اعتراض
- ۱۸۰ ۲۲۔ فتاویٰ عالمگیری
- ۱۸۲ ۲۳۔ اصلاحات
- ۱۸۳ ۲۴۔ فرمان
- ۱۸۴ ۲۵۔ مفاد منشور
- ۱۸۸ ۲۶۔ اورنگ زیب عالمگیر کی سیرت و کردار
- ۱۹۰ ۲۷۔ عالم گیر کے عہد کے علماء و شعراء
- ۱۹۱ ۲۸۔ عالمگیر کے عہد کی تعلیمی ترقیاں
- ۱۹۳ ۲۹۔ چند واقعات
- ۲۰۷ ۳۰۔ اختتامیہ

اظہار خیال

از - جسٹس قدیر الدین احمد سابق چیف جسٹس مغربی پاکستان (گورنر سندھ)

”کتاب مختصر ہے اس لئے میں نے اس کو (ایک ہی نشست میں) پڑھ لیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اورنگزیب کے عہد (حکومت) کے متعلق کتاب لکھنے کی ضرورت ہے۔ اس شہنشاہ کی فانی زندگی سے زیادہ اس کے عہد کے حالات اس طرح واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ روح انسانیت اور خدا ترسی جو اس کے عہد کا شیوہ تھا نکھر کر سامنے آجائے۔

سعدی سنگروری صاحب نے چند اوراق میں بہت کچھ کہہ دیا ہے تاہم (ابھی) یہ بہت کم ہے اور کتاب کی تاریخی بلندی بغیر حوالہ جات کے کھلتی نہیں۔ یہ کام کرنے کا ہے۔ اور اعلیٰ معیار پر کرنے کا ہے۔

اورنگزیب کا عہد قدیم اور جدید زمانوں کے درمیان کا عہد ہے یہ پہلو ظاہر اس وجہ سے نہیں ہوتا کہ جدید زمانہ اُسے پہلے جو خانہ جنگی (اور بربادی) ہوئی وہ نگاہوں کو ایک عہد سے دوسرے عہد تک جانے سے روک لیتی ہے۔ اُس زمانے کا اصلی شخص شاہ ولی اللہ ہیں، اور عام مسلمانوں کا یہ احساس ہے کہ بادشاہوں اور سرداروں کا زمانہ ختم ہوا۔ اس لئے خود عام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ اپنی عزت اور اپنے وقار کو قائم کریں چنانچہ اُس وقت سے لے کر پاکستان بننے تک چار پانچ تحریکیں ظہور پذیر ہوئیں۔ کتاب کے مصنف اور نگار زیب کی تلوار کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

جیسے قرآن پاک کا کتاب کا ٹائٹل بیچ اس کا شاید ہے وہ تلوار نری طاقت کی علامت تھی یا وہ صداقت کی حمایت کی چمک دمک تھی پہلا خیال طرز قدیم ہے دوسرا جدید ہے۔

(نوٹ) اور نگزیب کے پہلے ایڈیشن پر یہ خط محترم جسٹس قدیر الدین احمد نے محترم حکیم محمد سعید چیرمین ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان کے نام لکھا تھا ہم اس خط کو حکیم صاحب قبلہ کے شکریے کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔ سرورق پر تلوار کی علامت مصنف کی طرف سے نہیں ناشر کی جانب سے دی گئی تھی۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اورنگ زب عالمگیر نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ جہاد کرتے بسر کیا بہر کیف ہم اس سلسلے میں محترم جسٹس قدیر الدین احمد کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ہماری رہنمائی فرمائی۔

چودھری محمد رفیق
ناشر: وحید بک سنٹر، لاہور

تہمید

مخلوں کا عہد حکومت اسلامی ہندوستان کی تاریخ کا آخری دور اور تاریخ ہند کا نہایت اہم حصہ ہے۔ یہ عجب اتفاق ہے کہ مغلیہ حکومت کے بانی ظہیر الدین بابر سے اورنگ زیب عالمگیر تک نسل در نسل چھ پشتیں مغلیہ خاندان کی گل سرسب شمار ہوتی ہیں۔

اورنگ زیب عالمگیر مغلیہ سلسلے کا ایک ایسا آخری باجبروت حکمران ثابت ہوا جس کی آنکھ بند ہوتے ہی اسلامی ہندوستان کا چراغ گل ہو گیا۔ اورنگ زیب عالمگیر نے ۱۷۰۷ء میں وفات پائی۔ بقول صاحبزادہ محمد عمر مرحوم کے یہ تو یہ ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر کے دم واپس کے ساتھ ہی اسلامی ہندوستان کا زوال شروع ہو گیا۔

اسلامی ہندوستان کیوں زوال پذیر ہوا۔ اس کے اسباب و محرکات کیا تھے۔ مؤرخوں نے اس باب میں بڑی موثر گافیاں کی ہیں۔ مگر اس کا سب سے بڑا سبب یہی تھا کہ تخت و تاج کے وارثوں کے درمیان کوئی ایسا قانون موجود

نہیں تھا جس سے بغیر آپس میں لڑتے بھڑنے کے ایک کے بعد کوئی دوسرا
 تاجدار تخت نشین ہو سکتا۔ چنانچہ ہندوستان کے تحت وفاق کے لئے باہمی خانہ
 جنگی نے ہندوستان کے غیر مسلموں بالخصوص ان لوگوں کو طبع آزمائی کے مواقع فراہم
 کئے جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سخت بغض و عداوت رکھتے تھے۔ اس
 کا نتیجہ یہ نکلا کہ اورنگ زیب کی وفات کے ساتھ ہی اس کے جانشینوں کی حکومت
 برائے نام رہ گئی۔ لہذا یہ کہنا کہ اورنگ زیب کے جانشین نااہل تھے اور یہ کہ
 اورنگ زیب نسکی مزاج واقع ہوا تھا حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔

آپس کے جنگ و جدل نے کسی کو اپنی خدا داد صلاحیتوں کے بروئے کار
 لانے کا موقع ہی کہاں دیا تھا جس سے کسی کی قابلیت اور صلاحیت کے باب
 میں کوئی حکم لگایا جاسکے۔ اور وہ شخص جو پچاس برس تک تنہا پورے ہندوستان
 پر نہایت کامیابی سے حکومت کرے حالانکہ وہ اس مدت میں اپنی عمر کا بیشتر حصہ
 ملک کے غداروں اور باغیوں کی سرکوبی کے لئے میدان جنگ میں گزارے، کبھی
 وہمی اور نسکی مزاج کا آدمی نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ کامیاب نبرد آزمائی کے لئے طبیعت میں جو ہر استقلال اور یقین و
 اعتماد کی دولت کا ہونا شرط اولیٰ ہے اور اس شرط کو اورنگ زیب عالمگیر نے
 بحسن و خوبی پورا کیا ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ پروفیسر جے۔ اے۔ ییلے کے قول
 کے مطابق سیاسیات اور تاریخ ایک ہی مطالعے کے دو پہلو ہیں۔ اکثر انگریزوں
 نے جتنی بھی اسلامی ہندوستان کی تاریخیں لکھی ہیں ان میں انھوں نے اپنے وطن
 کی سیاسی اغراض کو ہمیشہ اپنی نگاہوں کے سامنے رکھا ہے۔ اس پر متزاد یہ کہ

اسلامی ہندوستان کی تاریخ کا مواد انہیں میر جعفر ایسے ملت فروش لوگوں کے ذریعے سے ملا ہے۔ اس لئے ایک اور نگ زیب کیا اسلامی ہندوستان کی تاریخ کا ایک بھی فرد اس حالت میں نہیں ملتا جس کی شخصیت کو غلط سلط بیانات سے مجروح کر کے دم نہ لیا ہو۔ اسے حکومت کے لئے نا اہل اور بد وضع ثابت نہ کیا ہو۔

زیر نظر کتاب اسی غلط تاثر کو مٹانے کے سلسلے کی ایک سعی ہے، جسے اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں نے حقیقت کی نقاب کشائی کا فریب دے کر پیدا کیا ہے۔ ہم اپنی اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوئے، اس کا فیصلہ وہ حضرات خود کریں گے جو غالب علیہ الرحمہ کی زبان میں اس طرح سے کہتے ہیں کہ

عہد ہم سخن ہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں ہیں

سعدی سنگروری

۱۰ مئی ۱۹۸۳ء

۹۔ دھنی رام روڈ انارکلی۔ لاہور

نام و نسب

محی الدین اورنگ زیب عالمگیر ابن شہاب الدین محمد شاہجہاں صاحبقران ثانی
 ابن نور الدین محمد جہانگیر ابن جلال الدین محمد اکبر ابن نصیر الدین محمد سہایوں ابن ظہیر الدین
 محمد بابر ابن عمر شیخ مرزا ابن سلطان ابوسعید مرزا ابن سلطان محمد مرزا ابن
 جلال الدین میراں شاہ مرزا ابن امیر تیمور گورگان صاحب قران اول۔
 گورگان کے معنی ترکی زبان میں داماد کے ہیں۔ چونکہ امیر تیمور
 نے ترکوں کے اکثر خاندانوں میں شادیاں کر لی تھیں اس لئے اس
 مناسبت سے اس کی وجہ تسمیہ گورگان مشہور ہو گئی۔ برنیئر نے لکھا ہے
 کہ امیر تیمور خاں نے سلطان ابوسعید بہادر خاں کی بیٹی سے شادی کر
 لی تھی جو اس وقت تاتاریوں کے اس قبیلے کا بہت بڑا سردار اور
 ایران کا ایک زبردست بادشاہ تھا۔ جسے منغل کہتے ہیں۔ اس لئے
 وہ اس رشتے کی مناسبت سے منغلوں میں داخل ہو گیا۔ درحقیقت

برٹنیر کا یہ بیان تاریخ سے قطعی ناواقفیت کی دلیل اور غلط محض ہے۔ اصل میں امیر تیمور کا تعلق الوس چغتائی کی برلاس شاخ سے تھا۔ جو چنگیز خاں ہی کی اولاد ہے۔

ترکی مؤرخوں کا بیان ہے کہ قدیم زمانے میں النجہ خاں ایک بادشاہ کے یہاں دو جڑواں بیٹے پیدا ہوئے۔ ایک کا نام مغول رکھا گیا دوسرے کا نام تاتار۔ بعد میں ان کی نسل انہی کے نام پر مغل اور تاتار کہلائی۔ یہ دونوں قبیلے ایک مدت تک تو شیر و شکر رہے۔ لیکن جب اہل خان مغلوں کا سردار بنا اور مورخ خاں تاتاریوں کا تو ان میں جنگ ہو گئی۔ تاتاری غالب آئے اور مغل مغلوب ہو گئے۔ پھر کچھ زمانے کے بعد مغلوں نے متحد ہو کر تاتاریوں کی شان و شوکت کا خاتمہ کر دیا۔ اور اس وقت سے تمام ترک قبیلوں کے خود سردار بن گئے۔ حتیٰ کہ یسوی بہادر خاں تک پھر انہی میں سے سلسلہ سلسلہ سردار ہوتے رہے۔

۵۲۹ھ میں یسوی بہادر خاں کے یہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ جس کا نام تموچن رکھا گیا۔ اگرچہ اس کے باپ یسوی خاں نے بہت سی فتوحات حاصل کیں اور تمام قبیلوں کو منظم بھی کیا۔ تاہم قبیلوں کی تعداد چالیس ہزار خیموں سے زیادہ نہ تھی۔ ۶۱۷ھ میں جب اس نے انتقال کیا تموچن کی عمر اس وقت صرف تیرہ سال کی تھی۔ مغل سرداروں نے اسے کمسن اور کمزور پا کر اپنی علیحدہ علیحدہ خود مختار حکومتیں قائم کر لیں۔ تموچن ایک طویل مدت تک ان

سے لڑتا رہا، آخر کار بیس برس یا تیس سال کی مسلسل لڑائیوں کے بعد وہ انہیں اپنا مطیع بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ اب اس کے بعد وہ تموجن کی بجائے چنگیز خاں کے لقب سے مشہور ہوا۔
 لین پول لکھتا ہے کہ مغلوں کی تاریخ اصل میں چنگیز خان سے شروع ہوتی ہے جو بڑی غیر معمولی طاقت کا انسان تھا۔ رہا لفظ مغل تو یہ چوتھی صدی ہجری کی ایجاد ہے۔ یعنی جب مغل شاخ کے خوانین ساری قوم فراز کے سردار پائے تو لفظ "مغل" بھی تمام قوم کے لئے استعمال ہونے لگا۔ یعنی کل، جُز کے نام سے پکارا جانے لگا۔

چنگیز کے معنی طاقتور بادشاہ کے ہیں۔ جس زمانے میں وہ تمام ترک قبیلوں کا سردار تسلیم کیا گیا اور چنگیز خاں کے لقب سے ملقب ہوا اس کی عمر چوالیس برس کی تھی۔

چنگیز خاں بلاشبہ ایشیاء کا سکندر اعظم تھا۔ اس نے بیس برس کی مدت میں اتنی بڑی سلطنت حاصل کر لی کہ اس سے پہلے کسی اور بادشاہ کو نصیب نہیں ہوئی۔

ابھی فتوحات کا سلسلہ جاری تھا کہ ۶۲۴ھ بمطابق ۱۲۲۷ء یعنی خلیفہ بغداد ناصر الدین اللہ عباسی کے انتقال کے دو سال بعد چنگیز خاں فوت ہو گیا۔ مرنے سے پہلے اس نے منغل سرداروں کی روایات کے مطابق تمام مغتوحہ ممالک اپنے چاروں بیٹوں

میں حسب ذیل ترتیب سے تقسیم کر دیئے۔

بڑے بیٹے جو جی خاں کو دشت قبچاق، داغستان، خوارزم، بلخار روس اور اس سے ملحقہ علاقے بحر مغربی کے ساحل تک۔
دوسرے بیٹے چغتائی خاں کو الیغور۔ ماوراء النہر۔ مشرقی ترکستان
تیسرے بیٹے تولی خاں کو خراسان۔ دیار بکر مغربی علاقہ وغیرہ
چوتھا بیٹا اوکدا ئی خاں جو سب سے چھوٹا تھا اسے بلاد واصل،
خطا دچین، معمورہ مشرقی تک کا علاقہ دے دیا۔ اور اسکے بعد قان اعظم
یعنی قبیلیے کا سردار مقرر کرنے کی وصیت کی اور حکم دیا کہ دوسرے بھائی اس
کے مددگار معین اور تابع رہیں گے۔ اور کوئی فرد اس کے حکم کے خلاف
نہ چلنے پائے۔

چنگیز خاں کی اولاد میں تولی خاں کا بیٹا ہلاکو خاں تھا۔ جس نے
بغداد کے آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کو بڑی بے رحمی سے قتل
کیا۔ چغتائی خاں کی اولاد سے امیر تیمور تھا جو سلطنت مغلیہ ہند
کے بانی ظہیر الدین بابر کا مورث اعلیٰ تھا۔

امیر تیمور ۷۳۶ھ بمطابق ۱۳۵۳ء میں پیدا ہوا، جوان ہوا تو اپنی
خداداد لیاقت اور صلاحیت کی بدولت کشکاکا حاکم بن گیا۔ کچھ عرصے
تک ایک چغتائی حاکم وزیر بھی رہا۔ ۷۷۱ھ بمطابق ۱۳۶۹ء کے
لگ بھگ میور غتمش کو جس کا امیر تیمور وزیر تھا اپنی لیاقت سے
تمام اختیارات سے محروم کر کے خود فرمانروا بن گیا

۸۲ھ بمطابق ۶۱۳۸۰ میں امیر تیمور نے ایران پر حملہ کیا اور صرف سات برس کی قلیل مدت میں خراسان، جرجان، مارثرندران، سیستان، افغانستان، فارس، آذربائیجان اور کردستان وغیرہ ممالک فتح کر لئے ۹۵ھ بمطابق ۶۱۳۹۳ میں تیمور نے آل ہلائر سے بغداد چھین لیا اور الجزیرہ پر قابض ہو گیا۔ ۱۰۰ھ میں اس نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ اور ۱۰۱ھ میں دہلی اور کشمیر کو فتح کیا۔ ۱۰۲ھ بمطابق ۱۳۱۱ء میں وہ فاتحانہ شان کے ساتھ اناطولیہ میں داخل ہوا۔ ویدواس اور ملاطیہ کو فتح کرنے کے بعد ترکان عثمانی کو انقرہ میں ایک زبردست شکست دی۔ سلطان بایزید کو قید کر لیا۔ حلب اور دمشق وغیرہ پر قبضہ کیا۔ ۸۰۷ھ بمطابق ۶۱۴۰۵ میں چین کو فتح کرنے کے ارادے سے نکلا تھا کہ راستے میں اترار کے مقام پر ستر برس کی عمر میں فوت ہو گیا۔

اگرچہ امیر تیمور کے انتقال کے بعد خاندانی جھگڑوں کی بدولت خاندان تیمور کی حکومت چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی۔ تاہم ابھی وہ پورے طور پر ختم نہ ہونے پائی تھی کہ بابر نے ہندوستان میں ایک ایسی حکومت کی بنیاد رکھی کہ تیموری سلطنت کو پھر سے زندہ کر دیا، جو ہندوستان میں تقریباً ساڑھے تین سو برس تک قائم رہی۔

سلطنتِ مغلیہ ہند کے بانی ظہیر الدین محمد بابر کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں امیر تیمور سے جا ملتا ہے۔ بابر ۸۸۸ھ بمطابق ۶۱۴۸۲

فرغانہ میں پیدا ہوا جہاں اس کا باپ عمر شیخ مرزا حکومت کرتا تھا۔ ۹۱۰ھ بمطابق ۱۵۰۳ء میں جب قبائلی ازبکوں نے فرغانہ وغیرہ پر قبضہ کر لیا تو بابر جان بچا کر افغانستان چلا آیا اور آتے ہی یہاں اپنی حکومت قائم کر لی۔

۹۰۹ھ بمطابق ۱۵۰۳ء میں بابر نے بدخشاں پر ۹۱۰ھ میں کابل پر اور ۹۱۲ھ بمطابق ۱۵۰۷ء میں قندھار پر قبضہ کر لیا۔ ۹۳۲ھ بمطابق ۱۵۲۵ء میں اس نے ترک فوج کے ساتھ پنجاب پر حملہ کیا اور لاہور پر قبضہ کر لیا۔

۷ رجب ۹۳۲ھ بمطابق ۲۰ اپریل ۱۵۲۶ء میں بابر نے پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودھی کو شکست دے کر دہلی اور آگرے کو فتح کر لیا اور سلطنت مغلیہ ہند کا دامن دریا ئے انک سے بنگال تک پھیل گیا۔ بابر چاہتا تھا کہ بنگال، بگرات اور مالوہ بھی اس کی سلطنت کا حصہ بن جائے مگر موت نے اسے اتنی مہلت نہ دی اور ۹۳۷ھ بمطابق ۱۵۳۰ء میں بابر کا انتقال ہو گیا۔

بابر کے انتقال کے وقت ہمایوں صرف انیس برس کا تھا۔ وہی سلطنت مغلیہ کا جانشین ہوا۔ اگرچہ اس نے باپ کی آرزوؤں کی تکمیل کے لئے مالوہ اور بگرات پر حملہ کیا مگر کامیابی نصیب نہ ہو سکی۔ انہی دنوں بنگال کے افاغنه شیر شاہ سوری کی سپہ سالاری میں منسل فوجوں کو برابر شکست پر شکست دیتے رہے حتیٰ کہ چونسٹا کے

مقام پر شیر شاہ سوری نے اچانک حملہ کر کے ہمایوں کی فوجوں کو بنگال سے نکال باہر کیا۔ اس کے علاوہ اس نے قنوج میں بھی ہمایوں کو شکست دی اور بالآخر گجرات کے سوا تمام ہندوستان پر قبضہ کر لیا۔ شیر شاہ سوری سے شکست کھانے کے بعد ہمایوں سندھ چلا آیا پھر یہاں سے موقع پا کر ایران پہنچ گیا۔ پندرہ سال گزر جانے کے بعد ہمایوں نے سوری افغانہ سے انتقام لینے کے انتظامات مکمل کر لئے اس دوران میں شیر شاہ سوری فوت ہو چکا تھا اور اس کے نااہل جانشینوں کے سبب تمام ملک میں بد امنی پھیلی ہوئی تھی چنانچہ جب ہمایوں فوج لے کر ہندوستان کو چلا تو اس نے یہاں آتے ہی ایک ہی حملے میں دہلی کو فتح کر لیا۔

۱۵۵۶ء میں ہمایوں نے وفات پائی اور اس کے بعد جلال الدین اکبر اس کا نامور بیٹا چودہ برس کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ ۱۵۵۶ء میں ہیمو بقال نے اکبر کو نو عمر اور نا تجربہ کار سمجھ کر پانی پت کے میدان میں مغلیہ فوجوں کے ساتھ اکبر کے خلاف متحرک آرائی کی۔ جس کے نتیجے میں ہیمو نے شکست فاش کھائی اور قتل ہو گیا۔ اس کے بعد اکبر ہندوستان کے بہت بڑے حصے کا مالک بن گیا۔ غرض دہلی، آگرہ، گوالیار، جونپور، مالوہ، خاندیش، چتوڑ، گجرات، بنگال، کشمیر اور قندھار وغیرہ یکے بعد دیگرے فتح کئے۔ اس کے علاوہ اکبر نے بیجا پور اور گولکنڈہ کے بادشاہوں کو اپنا

خراج گزار بنا لیا۔ برار اور احمد نگر کے قلعے کو بھی فتح کیا۔

۱۶۰۵ء میں اکبر نے وفات پائی۔ اس کے بعد اس کا نامور بیٹا جہانگیر اور اس کا بیٹا شاہجہاں جسے تعمیرات کا بیحد شوق تھا تخت نشین ہوا۔ شاہجہاں کے عہد حکومت میں اورنگ زیب ۱۶۵۷ء سے ۱۶۵۹ء تک دکن کے مفتوحہ علاقے کا حاکم رہا۔ جو چار قسمتوں میں تقسیم تھا۔ اول دولت آباد اور احمد نگر۔ دوم بخاندیش۔ سوم تملینگانہ۔ چہارم۔ برار اس کے علاوہ شاہ گوکنڈہ بھی اس کا باج گزار تھا۔

ولادت

اوزنگ زیب دوتھ کے مقام پر جو احمد آباد اور مالوہ کی سرحد پر واقع ہے ۱۰۲۸ھ (۱۶۱۸ء) میں پیدا ہوا۔ کسی شاعر نے اس کی تاریخ ولادت ”آفتاب عالم تاب“ نکالی ہے۔ جو فی الحقیقت اسم باسْمیٰ ہے۔ جن اساتذہ سے اوزنگ زیب نے تعلیم و تربیت پائی ان میں اسد اللہ خاں وزیر اعظم شاہجہاں۔ ملا صالح۔ محمد ہاشم گیلانی۔ مولوی عبداللطیف سلطانپوری۔ ملا محی الدین اور شیخ احمد عرف ملا جیون وغیرہ ممتاز علماء کے اسمائے گرامی خاص کر قابل ذکر ہیں۔ اوزنگ زیب نے ابتدائی سن ہی میں تفسیر، حدیث اور فقہ میں کامل مہارت حاصل کر لی تھی۔ اس کے علاوہ اس نے امام غزالی کی تصنیفات کا بھی مطالعہ کیا تھا۔

اوزنگ زیب عالمگیر جوانی سے لے کر بڑھاپے تک نہایت

زائد و مرقص اور منتقی و پرہیزگار ثابت ہوا حتیٰ کہ بلا خوف تردد یہ وہ کبھی کسی حرام اور گناہ میں مبتلا نہیں ہوا۔ ہر چند کہ وہ اسلامی ہند ایسی وسیع و عریض سلطنت کا تنہا مالک تھا لیکن اس کے باوجود وہ حکومت کے نشے میں بھی کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔

مختصر یہ کہ تھوڑی سی مدت میں اوزنگ زیب عالمگیر نے جملہ علوم و فنون میں کامل دستگاہ پائی۔ عربی، فارسی، ترکی اور ہندی زبان میں مکمل مہارت حاصل کی۔ عربی اور فارسی خط یعنی نسخ اور نستعلیق میں بھی کمال حاصل کیا۔ اس کے ساتھ فنون حربیہ، ملکی آئین، طرّی جہان بینی اور دستور فرمانروائی کا وہ بہترین سلیقہ حاصل کیا کہ باوجود کم عمری کے صوبجات دکن ایسے پر آشوب صوبوں کی کامیابی کے ساتھ گورنری کی۔ اس وقت اوزنگ زیب کا سن صرف اٹھارہ برس کا تھا جب وہ دکن کا گورنر مقرر ہوا۔

اوزنگ زیب عالمگیر بچپن ہی سے دلیر اور شجاع واقعہ ہوا تھا۔ اس کی بہادری اور شجاعت کا کچھ اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ۲۹ ذیقعدہ ۱۰۴۲ھ بمطابق ۲۸ مئی ۱۶۳۳ء کی صبح کو شاہجہان شاہان مغلیہ کی دیرینہ رسم کے مطابق مست ہاتھیوں کی لڑائی کا تماشا دیکھنے کے لئے قلعہ آگرہ کے جھروکے میں بیٹھا ہوا تھا۔ دریا کے کنارے دو مست ہاتھی لڑنے کے لئے چھوڑے گئے۔ دارا شجاع اور عالمگیر اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار میدان میں کھڑے تماشا

دیکھ رہے تھے کہ صورتِ سُند نامی ہاتھی ایک طرف کو بھاگ نکلا۔
 سدھکر نامی ہاتھی نے اس کا پیچھا کیا مگر حریف دوزنکل چکا تھا۔ اس لئے
 ہاتھی نے بدست ہو کر مجمع کا رخ کیا۔ سب سے آگے عالم گیر کا گھوڑا
 تھا۔ مجمع گھبرا کر وہاں سے بھاگ نکلا۔ مگر اوزنگ زیب پہاڑ کی
 طرح وہیں کھڑا رہا اور تلوار سے ایک ایسا بھرپور وار کیا۔ کہ
 ایک ہی وار میں ہاتھی کی سونڈ کاٹ ڈالی اس دوران میں ہاتھی کا
 مد مقابل ہاتھی بھی اُگیا اور عالم گیر کو اس مہم سے فراغت مل گئی۔ عالم گیر
 کی عمر اس وقت چودہ برس کی تھی۔ شاہجہان نے فرط محبت سے
 اس کو سینے سے لگالیا اور غریبوں میں خیرات تقسیم کی گئی۔
 اوزنگ زیب کی طبیعت میں جہاں زہد و اتقا درجہ کمال
 کو پہنچا ہوا تھا وہاں ساتھ ہی ساتھ شجاعت و بہادری کا بہرہ
 وافر بھی حاصل تھا اس نے شاہزادگی کے زمانے ہی میں بلخ اور بدخشاں
 کو فتح کر لیا تھا۔ قندھار اور دکن کی مہم بھی سرکردہ تھی اس کے
 علاوہ ایک مست ہاتھی سے بھی دست بدست جنگ کرنا اس کے
 عہد جوانی کا مشہور واقعہ ہے۔ اور اس سے ایک اندازہ ہوتا ہے
 کہ اوزنگ زیب کس قدر بہادر اور جبری تھا۔

بالخصوص وہ لڑائیاں جو شاہجہاں کی بیماری کے زمانے میں
 برپا ہوئیں اور اوزنگ زیب کو ایک سال کی مدت میں کوئی چار
 پانچ مرتبہ اپنے دشمنوں سے لڑنا پڑا بڑی گھمسان کی جنگ ہوئی

ہر چند وہ کبھی کبھی مغلوب ہو جاتا لیکن ایسی پامردی اور استقلال دکھاتا کہ دوست دشمن سبھی اس کی بہادری اور استقامت کے معترف ہوئے بغیر نہ رہ سکتے۔ نہایت قابل ذکر ہیں۔

افسوس کہ بعض امور ملکی و سیاسی میں جو اس کی زایدانہ طبیعت سے ہرگز میل نہیں کھاتے وہ سخت بدنام ہوا ہے۔ مثلاً باپ کو قید کیا۔ بھائیوں کو قتل کروادیا۔ دکن کی اسلامی ریاستوں کو مٹا ڈالا۔ بت خانے ڈھا کر ہندوؤں سے ناراضگی مول لی اور آخر میں یہ کہ مرہٹوں سے چھیڑ چھاڑ کر کے سلطنت مغلیہ کی تباہی و بربادی کے سامان پیدا کر دیئے

درحقیقت اورنگ زیب کی فرد قرار واد جرم بھی انہیں حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔ جن کا اصلیت سے کوئی تعلق نہیں، صرف انگریز اور ہندو مؤرخوں نے سیاسی مصلحتوں کے لئے اسے افسانہ بزم و ابھن بنا دیا اور بس!

واقعات کا اجمال یہ ہے کہ شاہجہاں کی چہیتی بیوی (نورجہاں کی بھتیجی) ممتاز محل کے لطن سے کل چودہ بچے پیدا ہوئے، جن میں سات بچے زندہ رہے۔ ان میں چار بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ جہاں آرا عرف بیگم صاحب سب سے بڑی بیٹی تھی اس سے چھوٹی روشن آرا اور اس سے چھوٹی بیٹی گوہر آرا تھی۔

شاہجہاں کا بڑا بیٹا جو بے حد لاڈلا تھا دارا شکوہ تھا یہ ۱۶۵۸ء



میں اجمیر میں پیدا ہوا۔ اس سے چھوٹا محمد شجاع تھا جو ۱۶۱۶ء میں اجمیر میں پیدا ہوا۔ شجاع سے چھوٹا اورنگ زیب عالمگیر تھا، جو ۱۶۱۸ء میں دودھ کے مقام پر پیدا ہوا۔ پھر اس سے چھوٹا بیٹا مراد تھا جو ۱۶۲۴ء میں تہاس میں پیدا ہوا۔

دارا شکوہ چونکہ باپ کا منظور نظر اور لاڈلا تھا۔ اس وجہ سے ہر وقت شاہجہاں کے ساتھ رہتا تھا وہ اسے کبھی اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتا تھا۔ یہی سبب ہے کہ قندھار کی مہم میں شریک ہونے کے سوا دارا شکوہ کو کبھی کسی مہم پر جانے کا موقع نہیں ملا۔

شاہجہاں کے دیگر بیٹے جو دارا شکوہ کی طرح محبوب نہیں تھے۔ وہ مختلف صوبوں میں گورنر بنا کر بھیج دیئے گئے۔ ان میں ایک تو شجاع تھا جو پہلے تو دکن کا گورنر مقرر ہوا پھر بنگال بھیج دیا گیا جہاں وہ بیس برس تک صوبے کا حاکم رہا۔ اس کے علاوہ صوبہ اڑیسہ بھی اس کے ماتحت رہا۔ دوسرا اورنگ زیب تھا جو دکن کی صوبیداری پر مامور تھا۔ اور مراد احمد آباد و گجرات میں حاکم تھا۔

جس زمانے میں شاہجہاں بیمار پڑا یہ غالباً ۱۰۶۷ء کا واقعہ ہے اور اورنگ زیب اپنے باپ کے حکم کی تعمیل میں بیجاپور کے محاصرے میں لگا ہوا تھا۔ دارا شکوہ جو شاہجہاں کی نظر میں پسندیدہ اور اس کا محبوب پسر تھا اپنی حیثیت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے سلطنت کے کل سیاہ و سفید کا مالک بن بیٹھا۔

یہ صورت حال جب محمد شجاع نے دیکھی تو اس نے اور مراد نے اپنی اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ خاص کر مراد نے تو اپنے نام کا سکہ و خطبہ بھی جاری کر دیا۔

محمد شجاع ایک لشکر جرار لے کر پٹنہ پہنچ گیا۔ پھر یہاں سے ہوتا ہوا بہار و بنگال پہنچ گیا اور دارا شکوہ کا مقابلہ کرنے کے لئے پرتول لئے۔ ۳۴ ربیع الاول ۱۰۶۸ھ کو دارا شکوہ نے راجہ جے سنگھ و دیگر حید ایک امراء کو بھاری لشکر دے کر محمد شجاع کی سرکونی کے لئے روانہ کیا۔ بنارس کے قریب راجہ جے سنگھ اور محمد شجاع کی فوجوں کے درمیان گھمسان کی جنگ ہوئی جس میں محمد شجاع کو شکست ہوئی، اور وہ جان بچا کر بنگال کو بھاگ نکلا۔ اور وہیں جا کر دم لیا ادھر میدان راجہ جے سنگھ کے ہاتھ رہا۔

اگرچہ اوزنگ زیب عالمگیر کو ان تمام حالات کی دکن میں برابر خبریں پہنچ رہی تھیں اور اسے یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ دارا شکوہ نے اپنے امراء مہاراجہ جسونت سنگھ اور قاسم خاں وغیرہ کو تاکید کر دی ہے کہ جو بھی انہیں عالمگیر کی کسی نقل و حرکت کا پتہ چلے فوراً وہیں اس کا راستہ روک کر کھڑے ہو جائیں۔ لیکن اوزنگ زیب حالات کا نہایت صبر و سکون سے مطالعہ کر رہا تھا اور موقع کا منتظر تھا۔ اوزنگ زیب کو اس بات کا بھی علم ہو چکا تھا کہ مراد نے سکہ و خطبہ اپنے نام کا جاری کر لیا ہے اور اب سورت کے قلعے

پر قبضہ جانے کے ارادے ہو رہے ہیں۔ لیکن اورنگ زیب نے داراشکوہ یا اپنے باپ شاہجہاں کے خلاف کسی تحریک اور سازش میں کوئی حصہ نہیں لیا۔

ہر چند اورنگ زیب ان تمام باتوں سے الگ رہا جو محمد شجاع اور مراد وغیرہ کی طرف سے عمل میں آرہی تھیں تاہم وہ اپنی گونا گوں خوبیوں اور صلاحیتوں کے سبب داراشکوہ کی نگاہوں میں برابر کھٹک رہا تھا۔ یہی سبب ہے کہ اس نے شاہجہاں کو عالمگیر کے خلاف بہکایا جس کے نتیجے میں عالمگیر کو اپنی خداداد شجاعت سے اپنے مخالفوں پر غالب آکر شاہجہاں کو نظر بند کرنا پڑا۔

دراصل انگریز اور ہندو مؤرخوں نے مسلمان حکمرانوں کو **نظر بندی** | نگاہوں سے گرانے اور آنے والی نسلوں کے دلوں سے ان کی توقیر مٹانے کے لئے ان پر طرح طرح کے بے سرو پا الزامات عائد کئے ہیں۔ بات کا بتنگڑ یا رانی کا پہاڑ بنانے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا، درحقیقت شاہجہاں کو قید کرنے کا الزام بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے، جس میں کچھ اصلیت نہیں۔

کہا جاتا ہے شاہجہاں نے جب اپنا بڑھاپا دیکھا تو اپنی اولاد کو باہمی جنگ و جدال سے بچانے کے لئے انہیں اپنی زندگی ہی میں چار الگ الگ صوبوں پر فائز کر دیا، پھر وہ اس واقعے کے

کوئی دو چار سال بعد ستر برس کی عمر کو پہنچا تو اچانک ۱۰۶۷ھ میں
 جس بول کے مرض میں مبتلا ہو گیا۔ دارا شکوہ جو شاہجہاں کا سب
 سے بڑا اور لاڈلا بیٹا تھا باپ کو مرض کی وجہ سے بے دست و پا
 دیکھ کر مسند نشیں ہو گیا۔ اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ مراد،
 شجاع اور عالمگیر سے باپ کی بیماری چھپانے کے لئے ان سفیروں
 سے جو اس کے ان تین بھائیوں سے متعلق تھے اور یہاں
 دربار میں شاہجہاں کے پاس رتے تھے چلکے لے لئے، مقصد
 جس کا یہ تھا کہ وہ دربار کی کوئی خبر نہ بھیجنے پائیں۔

لیکن شاہجہاں کی بیماری کوئی ایسا واقعہ تو نہ تھا جو چھپائے
 چھپ جاتا۔ بالآخر سلطنت کے تمام صوبوں میں کسی نہ کسی طرح اطلاع
 پہنچ ہی گئی اور تمام ملک دفعۃً فتنوں اور بغاوتوں کی لپیٹ میں
 آ گیا۔

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ سب سے پہلے شجاع نے بنگال کے
 صوبے میں اپنی بادشاہی کا اعلان کیا پھر اس کے بعد مراد بخش نے
 احمد آباد و گجرات میں اپنے نام کا سکھ اور خطبہ جاری کر کے اپنی بادشاہت
 کا اعلان کیا لیکن اس کے برعکس اوزنگ زیب نے جو شجاع سے
 عمر میں چھوٹا اور مراد بخش سے بڑا تھا خود سری اور بغاوت کا کوئی
 مظاہرہ نہیں کیا۔

عالمگیر ان ایام میں گلبرگہ کی مہم میں مصروف تھا اور قریب تھا

کہ فتح پالے کہ اچانک اسے اور اس کے لشکر کے سرداروں کے نام داراشکوہ نے شاہجہاں کی طرف سے حکم بھجوایا۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ عالمگیر اس مہم کو چھوڑ دے اور عالمگیر کے ساتھی عالمگیر کا ساتھ چھوڑ کر فوراً دربار میں چلے آئیں۔ چنانچہ امراء نے دربار کی راہ لی اور ادھر اورنگ زیب کو بادل ناخواستہ والی بیجاپور سے ایک کروڑ روپیہ لے کر اس مہم کو نامکمل چھوڑنا پڑا۔

داراشکوہ نے صرف یہی نہیں کیا کہ سرداروں کو واپس بلا لیا، بلکہ عالمگیر کے سفیر کو قید کر کے اس کا مال و اسباب اور گھر بار بھی ضبط کر لیا۔ اس کی خطا صرف یہ تھی کہ وہ عالمگیر کا سفیر تھا۔ اس کے علاوہ داراشکوہ نے جسونت سنگھ والی جو دھپور کو فوج اور خزانہ دے کر عالمگیر سے معرکہ آرائی کے لئے بھیج دیا۔

عالمگیر جہاد ہی الاول کے مہینے کی بارہویں تاریخ کو ۱۰۶۸ھ میں یعنی شاہجہاں کی بیماری کے پانچویں مہینے بیجاپور سے چل کر برہان پور پہنچا، وہ یہاں کوئی ایک مہینے تک ٹھہرا۔ پھر یہاں سے چل کر ۱۰۶۸ھ ۲۰ رجب کو دیپال پور پہنچ گیا۔ جہاں پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق مراد بخش بھی اس سے آ ملا۔ جب جسونت سنگھ کو پتہ چلا کہ عالمگیر آچکا ہے تو وہ بھی فوجیں لے کر آگے بڑھا اور عالمگیر کے پڑاؤ سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر خیمے ڈال دیئے۔

عالمگیر نے مشہور بھاکا شاعر کب کلس کو راجہ کے پاس کہلا بھیجا کہ

ہم والد ماجد کی عیادت کے لئے جا رہے ہیں تم خواہ مخواہ ہمارا راستہ روک کر ہم سے نہ اٹھو لیکن راجا نہ مانا آخر کار معرکہ ہوا جس میں راجا نے شکست کھائی اور اپنے وطن کی طرف بھاگ نکلا۔

اس دوران میں شاہجہاں آگرے سے دہلی جا رہا تھا کہ اسے حسرت سنگھ کے شکست کھانے کی اطلاع ملی۔ ہر چند آگرے کی آب و ہوا شاہجہاں کے مزاج کے خلاف تھی لیکن وہ دارا شکوہ کے ہاتھوں مردہ بدست زندہ کے مصداق مجبور تھا اور آگرے چلا آیا۔ اب شاہجہاں کو آگرے پہنچانے کے بعد دارا شکوہ ساٹھ ہزار فوج لے کر عالمگیر کے مقابلے کیلئے نمودار ہو گیا۔ ہر چند شاہجہاں نے اسے بہتیرا سمجھایا کہ تمہارا جانا مناسب نہیں لیکن وہ ارادے سے باز نہ آیا۔

۱۶۵۸ء میں سمدوگرٹھ کے مقام پر اوزنگ زیب عالمگیر اور دارا شکوہ کے درمیان سخت خونریز جنگ ہوئی جس میں عالمگیر کامیاب ہوا دارا شکوہ جان بچا کر آگرے کو بھاگ نکلا۔ ہر چند شاہجہاں نے صلاح و مشورہ کے لئے اسے بار بار بلایا لیکن وہ شرم کے مارے شاہجہاں کے پاس نہ جاسکا۔ آخر اسی رات اپنے بیوی بچوں کو ساتھ لے کر لاہور کے ارادے سے دہلی جا پہنچا۔

اس حال میں جبکہ دارا شکوہ سخت مایوسی اور ناامیدی میں مبتلا تھا اور وہ الفاظ جو شاہجہاں نے اسے لڑائی پر جاتے ہوئے کہے تھے کہ ”یاد رکھو اگر لڑائی بگڑ گئی تو مجھے پھر آکر کیا منہ دکھاؤ گے“

داراشکوہ کو برابر یاد آرہے تھے، اس لئے وہ تسکوت کھانے کے بعد شرم کے مارے شاہجہاں کے پاس نہ جاسکا۔ لیکن شاہجہاں نے بہر کیف ایک وفادار خواجہ سرا کی زبانی اس بد نصیب کو تسکین اور تسلی کے لئے یہ کہلا بھیجا کہ میں اب بھی تمہیں ویسا ہی چاہتا ہوں اور تمہاری اس مصیبت کا مجھے بے حد رنج ہے بلکہ یہ بھی کہلا بھیجا کہ ابھی سیمان شکوہ کی فوج اور لشکر سب صحیح سلامت ہے نا امید ہونے کی کوئی بات نہیں۔ ہماری صلاح ہے کہ تم دہلی چلے جاؤ۔ صوبیدار کو حکم بھیج دیا گیا ہے کہ وہ تمہیں بادشاہی اصطبل میں سے ایک ہزار گھوڑے۔ خزانہ اور ہاتھی دیدے۔ اور آگرے سے دور نہ جانا۔ بلکہ ایک ایسے معقول فاصلے پر ٹھہرنا مناسب ہے کہ جہاں ہماری تحریریں تمہیں آسانی ملتی رہیں۔ اور ہمیں اب تک یہ امید ہے کہ ہم اورنگ زیب پر قابو پاسکیں گے، بلکہ اُسے کڑی سزا بھی دے سکیں گے۔

اب داراشکوہ کے ارادے عالمگیر پر بالکل ظاہر ہو چکے تھے اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ شاہجہاں اسے بے حد چاہتا ہے اور اس کی دلی خواہش ہے کہ وہی اس کے بعد بادشاہ بنے لہذا عالمگیر نے گروپیش کا جائزہ لینے اور حالات پر نظر رکھتے ہوئے اپنے بیٹے شہزادہ محمد سلطان کو ۱۰۶۸ھ رمضان کے مہینے کی سترھویں تاریخ کو روانہ کیا کہ جا کر قلعے پر قبضہ کر لے اور شاہجہاں کی خدمت میں ادب سے عرض کرے کہ حضور اب قلعے سے باہر تشریف نہ لائیں، غرض یہ وہ آخری واقعہ ہے جسے عالمگیر

کے مخالفین لے اڑے اور دشمنان اسلام نے اسے نمک مرچ لگا کر جس طرح پیش کیا اس سے لوگوں میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ عالمگیر نے اپنے باپ کا ذرا لحاظ نہ کیا بلکہ تخت و تاج کی ہوس میں اندھا ہو کر اسے قید کر دیا حالانکہ اسے ہرگز قید نہیں کیا گیا، بلکہ امن عامہ کو فتنہ و فساد سے بچانے کے لئے شاہجہاں کو صرف اتنی سی بات کا پابند بنایا گیا تھا کہ وہ حالات کے سازگار ہونے تک قلعہ سے باہر تشریف نہ لے جائیں اسے زیادہ سے زیادہ نظر بندی کہا جاسکتا ہے۔ قید کرنا ہرگز صحیح نہیں۔ پھر ایسے عالم میں جبکہ شاہجہاں کی عمر ستر برس سے اوپر ہو چکی تھی۔ اس کا تخت و تاج کے مسائل سے تعلق رکھنا مناسب ہو سکتا تھا۔

۱۔ پہلی بات یہ ہے کہ آخر عمر میں شاہجہاں مکمل طور پر داراشکوہ کے قبضے میں آچکا تھا وہ جو چاہتا سو کرتا تھا، اسے کوئی ٹوکنے والا نہ تھا، خود شاہجہاں کی حیثیت بھی اس کے سامنے مردہ بدست زندہ کے تھی۔

۲۔ داراشکوہ نے شاہجہاں کی بیماری سے نہ صرف عالمگیر بلکہ اپنے تمام بھائیوں کو بے خبر رکھنے کی کوشش کی۔

۳۔ بنگال، گجرات اور دکن کے تمام راستے بند کر دیئے تاکہ مسافروں کے ذریعے سے بھی کسی کو خبر نہ ہونے پائے کہ شاہجہاں بیمار ہے۔

۴۔ عالمگیر کے سفیر کا مال و اسباب اور گھر بار ناحق ضبط کر لیا، اور اسے قید کر دیا۔

۵۔ بیجاپور کے محاصرے میں جتنے افسر عالمگیر کے ساتھ مشغول تھے

انہیں شاہجہاں کے حکم کا حوالہ دے کر واپس بلا لیا۔

۶۔ بغیر اس کے کہ کسی شاہزادے کی طرف سے پیش قدمی ہو عالمگیر کے مقابلے کیلئے فوجیں دے کر حبونت سنگھ کو بھیج دیا۔

غرض یہ ہیں وہ تمام باتیں جو داراشکوہ نے اس گھمنڈ پر عالمگیر سے روار کھیں کہ وہ شاہجہاں کا چہیتا فرزند اور ولی عہد سلطنت ہے اور اس لحاظ سے کہ شاہجہاں کو داراشکوہ بے حد عزیز ہے اور اس کے لئے وہ ہر جائز و ناجائز کو روار لکھتا ہے۔ اور نگ زیب کے سامنے فقط ایک ہی راستہ تھا کہ وہ اپنے بوڑھے باپ کو قلعہ میں بٹھا کر اس کبر سنی میں سلطنت کے معاملات میں دخیل ہونے سے روک دے۔

اب رہی بات بھائیوں کے خون سے ہاتھ رنگنے کی۔ ڈاکٹر برنیر جو عالمگیر کا سب سے بڑا دشمن ہے اس واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یوں لکھتا ہے :

”واقعی انہیں اپنے اس ارادے سے دست بردار ہونا مشکل تھا، کیونکہ فتح پانے کی صورت میں تو ضرور تخت کی امید تھی۔ لیکن شکست کھانے کی حالت میں موت یقینی تھی۔ اب صرف دو ہی باتیں تھیں۔ موت یا سلطنت اور جس طرح شاہجہاں خاص اپنے بھائیوں کے خون سے ہاتھ رنگیں کر کے تخت پر بیٹھا تھا۔ اسی طرح انہیں بھی مکمل یقین تھا کہ اگر ہم اپنی امیدوں میں ناکام رہے

تو فتح پانے والا حسد کے مارے ہمیں ضرور قتل کرادے گا۔

لیسن پول پول یوں لکھتا ہے :
 ”اورنگ زیب ضرور جانتا ہوگا کہ بھائیوں میں کسی ایک
 کی تخت نشینی سے یا تو وہ قید کر لیا جائے گا یا قتل کر دیا
 جائے گا۔ اور اس نے اپنے دل میں سچتہ ارادہ کر لیا ہوگا
 اور حفاظت خود اختیاری میں اس کا فرض تھا کہ بادشاہت
 کے حصول کیلئے وہ بھی ایک نیلامی بولی بولے۔“

فی الواقع باپ کی نظر بندی اور بھائیوں کے قتل کا محرک اصلی صرف
 ایک ہی ہے یعنی حصول بادشاہت کیلئے جو تنگ و دوہور ہی تھی۔
 شاہجہاں چاہتا تھا کہ اس میں داراشکوہ اس کے لاڈلے بیٹے کا پلہ
 بھاری رہے۔ ادھر داراشکوہ کے بھائیوں میں ہر کسی کی خواہش یہی
 تھی کہ قرعہ فال اسی کے نام کا نکلے۔ بالآخر عالمگیر غالب آیا۔ بھائی قتل
 ہو گئے اور باپ کو نظر بند کر دیا گیا۔

داراشکوہ کی فرد جرم پیش کی جا چکی ہے اور اس سے اندازہ لگایا
 جاسکتا ہے کہ دونوں میں خطا وار کون تھا۔ داراشکوہ یا عالمگیر؟
 دونوں میں سے بات بڑھانے اور لڑنے کی پہل کس نے کی داراشکوہ
 یا عالمگیر نے، پھر ان دونوں میں جو معرکہ آرائی ہوئی اس میں حفاظت
 خود اختیاری کے تحت کون لڑا داراشکوہ یا عالمگیر؟

ممکن ہے عالمگیر کا کوئی مخالف یہ اعتراض اٹھائے کہ جب عالمگیر نے
 جسوت سنگھ کو شکست دی اور آگرے کے قریب پہنچا تو وہ شاہجہاں
 کے پاس کیوں نہ گیا۔ حالانکہ شاہجہاں بار بار بلاتا رہا۔ اس نے بہت
 شفقت آمیز خطوط لکھے، تحفے تحائف اور انعامات بھیجے، اور سب سے
 بڑھ کر یہ کہ وہ سلطنت کی تقسیم اس طریقے پر کرنی چاہتا تھا کہ اس
 سے بڑھ کر عالمگیر کے حق میں کوئی بات نہ ہو سکتی تھی۔ یعنی یہ کہ داراشکوہ
 کو پنجاب اور کابل، مراد بخش کو گجرات، شجاع کو بنگال اور عالمگیر کو دلی
 عہد بنا کر پایہ تخت کی حکومت و سلطنت دے دی جائے۔ لیکن اس پر
 بھی عالمگیر نے باپ کے پاس گیا نہ اسے قلعہ میں قید کرنے کے ارادے
 سے رکا۔ سوال یہ ہے کہ کیا شاہجہاں جیسا کہتا تھا واقعی اسی طرح کرنا
 چاہتا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ داراشکوہ کی محبت میں اندھا ہو چکا تھا،
 اور اس لئے عالمگیر کو فریب دیتا تھا۔ اس کا واضح ثبوت اس واقعہ سے
 مل جاتا ہے جو شاہجہاں کا عالمگیر کو درد انگیز خط پر خط لکھ کر اپنے پاس
 بلانے کے بارے میں ہے۔ عین اس وقت کہ عالمگیر اپنے باپ کے
 درد انگیز خطوط سے بقیاب ہو کر شاہجہاں سے ملاقات کو نکلا تو اسے
 شاہجہاں کی ایک چھٹی ہاتھ آئی جو داراشکوہ کے نام تھی۔ جس کا مضمون
 یہ تھا۔ کہ تم ابھی مطمئن ہو کر دہلی سے آگے نہ بڑھو۔ وہیں ٹھہرو، ہم
 یہیں قصہ پاک کئے دیتے ہیں۔ اس چھٹی سے عالمگیر کے ان خیر خواہوں
 کی اطلاعات کی حرف بحرف تصدیق ہو گئی جنہیں شاہجہاں کی طرف سے

فتنہ پرداز اور مفسد کہا جاتا تھا۔ چنانچہ عالمگیر نے شاہجہاں سے ملنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

ڈاکٹر برنیئر لکھتا ہے۔ شاہجہاں نے ایک معتبر خواجہ سرا کو اورنگ زیب کے پاس یہ کہلا کر بھیجا کہ بے شک داراشکوہ نے جو کچھ کیا سب نامناسب تھا اور اس کی بے سمجھی اور نالائقی کی باتیں یاد دلا کر کہا، ہمیں تم سے تو ابتداء ہی سے محبت اور دلی شفقت ہے۔ پس تمہیں ہمارے پاس جلد آنا چاہیئے، تاکہ تمہارے مشورے سے ان امور کا جلد انتظام کیا جائے جو اس افراتفری کے باعث رُکے پڑے ہیں۔ لیکن اس محنت و شہزادے یعنی عالمگیر نے بدگمانی سے بادشاہ پر نظر رکھتے ہوئے قلعے میں جانے کی ہمت نہ کی۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ جہاں آرا بیگم عرف بیگم صاحب جو داراشکوہ کی بڑی طرف دار ہے کسی وقت بھی بادشاہ سے علیحدہ نہیں ہوتی اور اس کے مزاج پر اس قدر حاوی ہے کہ جو کچھ وہ چاہتی ہے، وہی ہوتا ہے۔ اور یہ پیغام ایک چکمہ ہے جو اسی کی طرف سے دیا جا رہا ہے۔ اس نے قلمافینوں یعنی تاتاری عورتوں میں سے جو محل سرا کے چوکی پہرے پر مقرر ہیں کچھ قوی سیکل اور مضبوط اور مسلح عورتیں اس ارادے سے منگوا رکھی ہیں کہ جو نہی وہ (عالمگیر) قلعے میں داخل ہو یہ اس پر ٹوٹ پڑیں۔

ان واقعات سے یہ امر قطعی واضح ہو گیا کہ اورنگ زیب قلعے میں نہ جانے اور داراشکوہ کے قتل کو لازم قرار دینے میں حق بجانب تھا۔ واقعہ

یہ ہے کہ داراشکوہ جب تک زندہ رہتا سازشیں اور بغاوتیں ہمیشہ برپا رہتیں۔ اور ملک میں کبھی امن و سکون پیدا نہ ہوتا لہذا عالمگیر نے امن عامہ کو فتنہ و فساد سے بچانے اور ملک میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے وہی قدم اٹھایا جو شاہجہاں نے اپنے بھائیوں کے خلاف اٹھایا تھا یعنی دارنجنش اور شہریار اور موٹنگ وغیرہ اس کے بھائی اور بھتیجے خاص شاہجہاں کے حکم ہی سے قتل کئے گئے۔ چنانچہ داراشکوہ بھی خاص عالمگیر ہی کے حکم سے قتل کیا گیا۔

داراشکوہ جو ۲۹ صفر ۱۰۲۴ھ کو پیدا

مخالفت کے اسباب | ہوا عربی اور فارسی زبان پر اصل

زبان کی طرح عبور رکھتا تھا اور سنسکرت کی تعلیم اس نے بہترین پنڈتوں سے بنارس میں رہ کر حاصل کی۔ اسے عالمگیر سے کیوں مخالفت تھی اس سلسلے میں صاحب مقدمہ رقعات عالمگیر مخالفت کے اسباب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں داراشکوہ چونکہ شاہجہاں کا سب سے بڑا بیٹا تھا اس لئے سب سے زیادہ پیارا تھا۔ پھر ماں باپ کے لاڈ پیار، درباریوں کی خوشامد، غلط تعریف اور خود شاہجہاں کی انتہائی محبت نے اسے خود سر، خود رائے اور ستائش پسند بنا دیا تھا۔ وہ سمجھنے لگا تھا کہ تمام حکومت میں اس سے زیادہ صائب الرائے، عقلمند، وسیع المشرب، اور صاحب اقتدار کوئی نہیں۔ اس لئے جب اس کے دوسرے بھائی سن شعور کو پہنچے، اپنے درجے، مرتبے اور کاموں کے سبب لوگوں کو اپنی طرف

متوجہ کرنے لگے تو اسے یہ بات نہایت ناگوار معلوم ہوئی، اور چوں کہ اورنگ زیب ان میں سب سے زیادہ بااثر، عقلمند، دوراندیش اور سب سے زیادہ کامیاب تھا اس لئے دارا شکوہ کو اس سے خواہ مخواہ عداوت پیدا ہو گئی۔ اور جوں جوں اورنگ زیب ترقی کرتا اور لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ بنا جاتا۔ دارا کی دشمنی اس کی سازشیں اس کے خلاف بڑھتی جاتی تھیں۔

۳، ذی الحجہ ۱۰۴۵ھ میں عالمگیر کو صوبہ جات دکن کا گورنر بنایا گیا جس پر وہ آٹھ سال تک متعین رہا۔ اس دوران میں اس نے جو امور سرانجام دیئے ان سے اس کے انتظامات ملکی کی صلاحیتوں کا پتہ چلتا ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس پایہ کا مدبّر، منتظم اور اعلیٰ حکمران تھا۔

۵، شوال ۱۰۵۴ھ میں صوبہ گجرات کی گورنری دی گئی۔ ایک سال چند ماہ گزرنے کے بعد بلخ و بدخشاں کی جنگ پر مامور کر دیا گیا۔ جہاں پہلے شاہزادہ مراد کو بھیجا گیا مگر اس کی نااہلی اور نا عاقبت اندیشی سے دشمن کو بڑی تقویت پہنچی اس پر اسے واپس بلا لیا گیا اور اس کی جگہ عالمگیر کو بھیجا گیا۔ جس نے بڑی ہوشیاری اور عقلمندی کے ساتھ اس مہم کو سر کیا۔ سچ پوچھئے تو یہ لڑائی بھی اورنگ زیب کی پاکیزگی اور طہارت نے جیتی۔ کہتے ہیں کہ عین لڑائی میں ظہر کی نماز کا وقت آ گیا تو عالمگیر نے فوراً ظہر کی جماعت کا حکم دیدیا۔ ہر چند خیر خواہوں نے تجویز پیش کی کہ اس وقت معرکہ بہت سخت ہے۔ مگر عالمگیر

کے پائے استقلال میں ذرا سی بھی لغزش نہ آئی۔ اس نے بڑے اطمینان سے نماز ادا کی۔ اسے نہ کوئی خوف تھا نہ ڈر۔ جب اس واقعہ کی اطلاع عبدالعزیز خاں والی مبلغ کو پہنچی تو اس نے عالمگیر کے عزم و حوصلہ اور پاکیزگی و طہارت کو دیکھ کر صلح کی درخواست پیش کی جسے عالمگیر نے قبول کر لیا۔

دس برس کے بعد جب دکن کے احوال بہت بگڑ چکے تھے حتیٰ کہ اس کی آمدنی صرف ایک کروڑ رہ گئی تھی۔ حالانکہ اس سے پہلے اسی صوبے کی آمدنی تین کروڑ باسٹھ لاکھ تھی تو دارا نے اس چال سے کہ اورنگ زیب جس کا وقار ہر میدان میں بڑھتا جا رہا ہے اسے مصائب میں مبتلا کرنے کے لئے پھر دکن کا گورنر بنا کر بھیج دیا جائے۔ چنانچہ وہ شاہجہاں سے کہہ کر عالمگیر کو دوبارہ دکن بھجوانے میں کامیاب ہو گیا۔ عالمگیر کے لئے یہ نازک موقع بڑی آزمائش کا تھا۔ ایک طرف تو اس کے خلاف شاہجہاں کے کان بھرے جاتے تھے اور شاہجہاں نے ان سے متاثر ہو کر ایسی ایسی نکتہ چینیاں کرنی شروع کر دیں کہ جن کے تصور ہی سے ہنسی آتی ہے۔ دوسری طرف وہ دکن کی جنگی مہمات میں دشمنوں سے گھرا ہوا تھا۔ وہ دشمنوں بالخصوص مرہٹوں کا استیصال کرنے کیلئے سردھڑ کی بازی لگاتا۔ ہزاروں جانیں اور کروڑوں روپیہ برباد کرنے کے بعد مرہٹوں اور دکن کی ریاستوں کے باغیوں پر قابو پانے میں کامیابی حاصل کرتا لیکن دارا کی دشمنوں کے ساتھ عالمگیر کے خلاف

خفیہ ساز باز اس کے تمام کئے کرائے پر پانی پھیرتی رہی۔ دارا کا مقصود اس سے یہ تھا کہ عالمگیر کے لئے ایسے احوال پیدا کر دیئے جائیں کہ وہ ایک طرف شاہجہاں سے بغاوت کرنے پر مجبور ہو جائے اور دوسری طرف دکن کی جنگی مہمات کے سر کرنے میں ناکام رہے جس سے یہ ثابت ہو کہ وہ شاہجہاں کے حکم کی تعمیل کرنے کا اہل نہیں۔

کیفیت یہ تھی کہ مرہٹے میدان جنگ میں مردوں کی طرح کبھی ڈٹ کر نہیں اڑتے تھے۔ وہ جب دیکھتے کہ ان کی شکست یقینی ہے تو وہ میدان جنگ سے بھاگ نکلتے اور اسی کو اپنی کامیابی جانتے، وہ عام طور پر پہاڑوں اور غاروں میں جا چھپتے اور جب فوج کا کوئی دستہ اُن کا پیچھا کرتے ہوئے ادھر آنکلتا وہ سب طرف سے نکل کر اچانک حملہ کر دیتے۔

ہر چند اوزنگ زیب نہایت جنگجو، بہادر اور باتدبیر سپہ سالار تھا مگر شاہجہاں اور دارا کا ناروا سلوک اس کی حوصلہ افزائی کے بجائے دل شکنی کرتا رہتا تھا۔ مقصود یہی تھا کہ عالمگیر کسی طرح نافرمانی اور بغاوت کرے مگر عالم گیر میں بھی بلا کا صبر و تحمل اور بردباری تھی۔ وہ ہر تلخ سے تلخ شے کو خالص شہد اور عمل مصفی سمجھ کر پتیا رہا۔ مثلاً گولکنڈہ کے واقعہ کو دیکھیں۔ قطب الملک والی گولکنڈہ مغلیہ سلطنت کا باجگزار تھا اس نے بغاوت و سرکشی کی تو شاہجہاں نے اس کی سرکوبی کے لئے اوزنگ زیب کو حکم دیا۔ اوزنگ زیب نے فوراً حکم کی تعمیل

کی اور فتوحات کرتا ہوا گو لکنڈہ تک پہنچ گیا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ جب قطب الملک تنگ آ گیا تو اس نے مجبور ہو کر اپنی بوڑھی والدہ کو عالمگیر کے پاس بھیج کر صلح کی درخواست کی۔ مگر عین اسوقت جب صلح کی شرطیں طے ہو رہی تھیں اوزنگ زیب عالمگیر کے نام شاہجہاں کا فرمان آ گیا کہ محاصرہ کو اٹھا کر اور قطب الملک کا پورا ملک اس کے حوالے کر کے فوراً اپنے صوبے کو واپس چلے جاؤ۔

قصہ یوں ہوا کہ قطب الملک نے اپنا ایک سفیر دارا کے پاس بھیج کر اسے اور اس کے گروہ کو اپنے حقیقی میں ہموار کر لیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دارا نے شاہجہاں سے کہہ کر محاصرہ ختم کرنے کا حکم بھیجوا دیا۔ اب ایسے حالات میں اگر اوزنگ زیب عالمگیر کی جگہ خود شاہجہاں کا لاڈلا فرزند داراشکوہ ہی کیوں نہ ہوتا وہ بھی یقیناً مخالفت کرتا اور شاہجہاں سے بغاوت کرنے پر آمادہ ہو جاتا۔ مگر یہ صرف عالمگیر کا دل گردہ تھا کہ اس نے ایک سعادت مند بیٹے کی طرح باپ کے حکم کی تعمیل کی۔ باوجود اس کے کہ بھائی اور باپ کی شاطرانہ چالیں اسے ناکام بنانے میں برابر لگی ہوئی تھیں اور صاف نظر آ رہا تھا کہ ان دونوں کو عالمگیر کا وجود گوارہ نہیں لیکن عالمگیر نے پھر بھی کوئی مخالفت نہیں کی، اور نہ اپنے فرض ہی سے غفلت کی۔

والی بیجا پور عادل شاہ کے واقعہ کو لے لیں۔ یہ بھی مغل سلطنت کا باج گزار تھا اور شاہجہاں سے اطاعت کرنے کا اقرار کر کے صلح

کر چکا تھا لیکن حال یہ تھا کہ جب قطب الملک والی گوکنڈہ نے سر اٹھایا تو اس نے مغل سلطنت کے خلاف قطب الملک کو ٹبرہ می اندادہم پہنچائی۔ اس پر ستم یہ کہ اس نے اپنے درباری ملازم سادھو جی بھوسلہ کے بیٹے سیدو جی کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ مغل سلطنت کی سرحدوں پر حملہ کر کے ان کی توجہ کو بیجا پور سے ہٹا دے۔ اور خود سادھو جی کو اس کام پر تیار کر لیا کہ وہ کرناٹک کے ایک حصے پر قبضہ کر لے۔

۲۶ محرم ۱۰۶۷ھ کو عادل شاہ فوت ہو گیا۔ وہ چونکہ بے اولاد تھا اس لئے بیجا پور کے امراء نے شاہجہاں سے اجازت لئے بغیر عادل شاہ کے متبئی بیٹے کو علی عادل شاہ ثانی کے نام سے تخت پر بٹھا دیا۔ غرض یہ احوال تھے کہ جنہیں سامنے رکھتے ہوئے شاہجہاں نے اوزنگ زیب کو بیجا پور پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ ہر چند گوکنڈہ کی مہم کے تلخ نتیجے سے عالمگیر متاثر تھا تاہم اس نے ایک سعادتمند بیٹے کی طرح فوراً حملہ کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ بیجا پور کی فوجوں کو پسپا کرتا ہوا ملک کے بہت بڑے حصے پر قابض ہو گیا۔ اب وہ بیجا پور کی طرف بڑھنے والا ہی تھا کہ شاہجہاں کا پھر یہ فرمان اس کے پاس آ گیا جس میں لکھا تھا کہ جنگ فوراً ختم کر دو۔ اس کے ساتھ فوج کے دوسرے افسروں کے نام فرداً فرداً فرمان پہنچا کہ دکن سے جلد واپس آ جاؤ۔ چنانچہ مہابت خاں اور اس کی فوج اور دیگر تمام سپہ سالار اور فوجیں عالمگیر سے رسمی اجازت لئے بغیر واپس چلی گئیں۔

یہ سب کچھ کارروائیاں صرف عالمگیر کو ذلیل کرنے کے لئے داراشکوہ کی طرف سے ہو رہی تھیں، اور شاہجہاں کی محبت کا ناجائز فائدہ اٹھایا جا رہا تھا۔ اور صاف نظر آ رہا تھا کہ داراشکوہ مختارِ کل ہے اور شاہجہاں اس وقت مردہ بدست زندہ تھا۔ جو دارا چاہتا تھا وہی ہوتا تھا۔ وہ عالمگیر کے خون کا پیاسا تھا مگر اس پر کسی طرح اس کا بس نہ چلتا تھا۔ حالانکہ دارا کے مقابلے میں عالمگیر محدود وسائل کا مالک تھا نیز اس وقت چاروں طرف سے وہ دشمنوں میں گھرا ہوا تھا۔

۷۔ زمی الحجہ ۱۰۶۷ھ بمطابق ۴ دسمبر ۱۶۵۷ء میں شاہجہاں اس قدر بیمار پڑا کہ بچنے کی امید نہ رہی۔ اس پرستم یہ کہ دارا نے اس موقع پر جو کارروائیاں کیں ان سے لوگوں میں اس بات کے پھیلنے کے اسباب پیدا ہو گئے کہ شاہجہاں کا انتقال ہو گیا۔ تمام ملک میں ایک اضطراب اور بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔

ایسے نازک موقع پر شاہجہاں کے دیگر بیٹوں کا جو مختلف صوبوں پر متعین تھے یہ عین فرض منصبی تھا کہ وہ اس واقع کی تحقیق کریں۔ مگر دشواری یہ تھی، کہ داراشکوہ نے قدم قدم پر پہرے بٹھا رکھے تھے۔ اس کے علاوہ دارا نے بے حد شرمناک حرکت یہ کی کہ شاہجہاں کے خط کی مشق کر کے اس کے دستخط خود کر لیتا تھا اور اس کے نام سے وہی سب کو فرمان بھیجتا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں اس کے بھائیوں کے لئے واقعات کی تحقیق کرنا کتنا مشکل تھا۔ تاہم جب مراد کو اس کے جاسوسوں کی انتہائی کوشش کے بعد پتہ چلا

کہ مرگ شاہجہاں کی خبر غلط ہے۔ تو اس نے دارا کے نام ایک طنزیہ خط ارسال کیا جس میں لکھا تھا کہ:

”تم اچھے سعادت مند بیٹے ہو کہ باپ کو قید میں ڈال کر جس کے صدقے میں تمہیں سلطنت کے کاموں میں ذیل ہونے کا موقع ملا ہے اپنے عزیز ترین بھائیوں کے خون کے پیاسے بن گئے ہو۔“
پس اس کے بعد معاملے کی نوعیت بالکل بدل گئی۔ اور اس بات کے قطعی واضح ہو جانے پر کہ دارا شکوہ، سلطنت کا بلا شرکت غیرے مالک بن جانے کا خواب دیکھ رہا ہے اور بھائیوں کے قتل کے درپے سے حفاظت خود اختیار می اور شاہجہاں کی رہائی کے لئے مراد، شجاع اور عالمگیر تینوں بھائی دارا کے خلاف متحد ہو گئے۔

دارا نے بھائیوں کو اپنے راستے سے ہٹانے اور سلطنت کا تنہا مالک بن جانے کے لئے دو فوجیں تیار کیں۔ ایک کو راجا جے سنگھ کی سرکردگی میں شجاع کے مقابلے کے لئے بنارس روانہ کیا اور دوسری فوج کو مہاراجا جسونت سنگھ کی قیادت میں مراد بخش اور عالمگیر کے مقابلے پر بھیج دیا۔ شاہزادہ مراد جو عالمگیر کے ساتھ تھا اس لڑائی کی کیفیت یوں تحریر کرتا ہے:

”روز پنجشنبہ، یکم ماہ رجب المرجب ۱۰۶۸ھ کو دیپالپور میں برادر والا قدر (عالمگیر) سے ہماری ملاقات ہوئی۔ جسونت سنگھ سادات راجپوت، افغانوں اور مغلوں کی ۲۳ ہزار جنگجو سپاہ کو لئے ہوئے نہایت غرور اور تمکنت کے ساتھ ”اجین“

کے قریب پہنچا۔ جمعہ کے روز ہم نے اپنی فوجوں کو آراستہ کیا اور خداوند عالم کی عنایت۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توجہات مقدسہ پر تکیہ کر کے میں نے فوج کے دست راست اور بھائی اوزنگ زیب نے فوج کے دست چپ کی کمان کرتے ہوئے دشمن یلیم کی مدافعت میں جدوجہد شروع کر دی۔ توپ خانہ اور آتشبازی وغیرہ کی کارگزاریوں کے بعد بندگان جاں سپار نے گھوڑے ڈال دیئے اور ان کے پیچھے پیچھے یہ مخلص بھی میدان جنگ میں کود کر سرگرم قتال و جدال ہو گیا۔ طرفین سے دادِ شجاعت دی گئی۔ اگرچہ فتح و ظفر ہماری فوجوں کو نصیب ہوئی۔ راجہ جیسونت سنگھ اور قاسم خاں بھاگ نکلے۔ مکند سنگھ ہاڈا۔ افتخار خاں۔ دیال داس، رتن رائے اور ارجن گوڑ وغیرہ ہلاک ہو گئے۔ مختصر یہ کہ پانچ چھ ہزار آدمی دونوں طرف سے قتل ہوئے اور بہت زیادہ خزانہ۔ ہاتھی گھوڑے بیجمہ اور توپ خانہ وغیرہ ہمارے ہاتھ آیا۔

شاہجہاں کا خط مہابت خاں صوبہ دار کابل کے نام

عقیدت کیش مہابت خاں کو معلوم ہونا چاہیے کہ زمانے کے ہاتھوں اس مثل سلطنت کو کتنا بڑا نقصان پہنچا ہے۔ اب فرزند مظلوم شکست کھا کر لاہور چلا گیا ہے اس اڑے وقت میں تم ہی ایک مخلص اور عقیدت مند جو دنیا کے معمولی فائدوں کو خاطر میں لائے بغیر ننگ و ناموس کو سامنے رکھو گے۔

ہم تمہیں اپنا درد دل تحریر کر رہے ہیں اور تم سے مناسب تدارک کی امید رکھتے ہیں۔ دارا شکوہ عنقریب لاہور پہنچ جائے گا۔ لاہور میں خزانے کی کمی نہیں اور آدمی اور گھوڑے کابل میں بکثرت ہیں۔ اس موقع پر مہابت خاں جیسا بہادر جس کی ہیئت سے زمانہ کانپتا ہے اگر شاہجہاں کی طرح گوشہ نشین رہے تو ہزار تعجب ہے۔

مناسب یہ ہے کہ مہابت خاں ایسا بہادر آراستہ لشکر لے کر عزیمت کرے اور جلد لاہور پہنچ کر دارا شکوہ بابا کی رفاقت اور مدد کرے۔ اور ان دونوں (مراد اور اوزنگ زیب) نابز خور داروں کو جزائے اعمال پر پہنچانے کی کوشش کرے اور صاحب قرآن ثانی (یعنی شاہجہاں) کو قید سے رہائی دلائے۔

اورنگ زیب اپنے خطوط کے آئینہ میں

شاہجہاں کے نام
جنگِ برادران کے بعد عالمگیر کا ایک خط

اورنگ زیب عالمگیر نے حسب دستور سابق فرزندانہ، مریدانہ اور نیازمندانہ آداب کے ساتھ پدرگرامی قدر اور بادشاہ وقت کی خدمت میں ایک طویل عرضداشت پیش کرنے کے بعد لکھا،

”اس دوران میں سلطنت اور مملکت کے جملہ ملکی اور مالی امور کی زمام اختیار حضرت والا کے قبضہ قدرت سے خارج ہو کر شاہزادہ کلاں (وارثکونہ) کے قبضے میں پہنچ گئی۔ جس نے امور سلطنت کے بست و کشاد میں وہ اقتدار حاصل کر لیا جو احاطہ تحریر و تقریر سے باہر ہے۔ یہ قدرت و تسلط پاتے ہی اپنے بھائیوں کے

استیصال کو اپنا اولین مقصود گردانا۔ جس میں اس کی جدوجہد روز بروز بڑھتی رہی۔ چنانچہ حضرت والا کے فرزند رشید شجاع کے سر پر اپنے نو عمر لڑکے سلیمان شکوہ کو مسلط کیا۔ شجاع کی ۳۲ سال کی خدمات کی کوئی وقعت نہیں کی اور اسے حد سے زیادہ ذلیل و رسوا کیا۔ اپنی خواہشات نفسانی صرف خواہشات نفسانی کی بنا پر اس نیاز مند کی توہین و تذلیل کی ہمیشہ کوشش کرتا رہا۔ منافع اور آمدنی کے راستے اس نیاز مند کیلئے روکتا اور بند کرتا رہا۔ اور طرح طرح کے نقصان پہنچاتا رہا۔ اور ہمیشہ وہ کام کرتا رہا جو دین اور ملت کے مخالف، بندگانِ خدا، اور انسانی آبادی کے لئے تباہی اور بربادی کا باعث تھے۔

✽

بیجاپور کی مہم کا حوالہ دیتے ہوئے پھر لکھتا ہے
 ”اور دارا کی اس ناقابلِ اندیشا نہ حرکت کے بعد اگر خدا کا فضل و کرم شامل حال نہ ہوتا تو کن کے انہی فرمانرواؤں کے ہاتھوں تمام سلطنت برباد ہو چکی ہوتی۔ یہ سب حرکت اس نے صرف اپنی ذاتی غرض کے لئے کی۔ جس میں وہ اس قدر اندھا ہو گیا کہ خود سلطنت کی تباہی و بربادی کا خیال بھی نہ کر سکا۔ پھر اپنی اسی مخالفت اور خصومت پر جس کی شہرت ایران اور توران تک ہو چکی ہے، قناعت نہیں کی۔ بلکہ مجھ

ایسے وفادار سے جس نے ساری عمر حضور والا کی اطاعت میں صرف کی اور کبھی کسی معمولی حکم کے خلاف نہیں چلا۔ اور حکم عدولی کو ہمیشہ گناہ عظیم تصور کرتا رہا۔ صوبہ برار کو علیحدہ کر کے ایک ایسے شخص کے حوالے کرنا چاہا جو ہمیشہ حکومت کا مخالف رہا۔ اور جس کی غداری طشت از بام ہے۔ پھر خوشامدیوں کے جنونت سنگھ کو میری سرکوبی کے لئے ایک لشکر جبار کے ساتھ روانہ کیا۔ مقصود یہ تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو وہ مختصر سا علاقہ جو حضور والا نے اس نیاز مند کو مرحمت فرما رکھا ہے اس نیاز مند سے چھین کر نیاز مند کو آوارہ فنا، یسکی و غربت اور سراپیمہ صحراء محن و کرب کر دے۔

علاوہ ازیں خوشامدیوں اور غلط چالوسی سے حضور والا کے مزاج اقدس پر اتنا اثر چھالیا ہے کہ جو کچھ وہ کہتا ہے حضور والا بلا تحقیق و تفتیش اس بات کو صحیح سمجھتے ہیں اور اس کی رائے پر عمل فرماتے ہیں اور جملہ اختیارات ملکی اس کے حوالے کر دیئے ہیں۔ اس صورت حال کے بعد ہمارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا تھا کہ خود حاضر خدمت ہو کر اصل واقعات عرض کریں اور بارگاہ سلطانی میں اپنی مظلومیت کا اظہار کر کے عدل و انصاف کے طالب ہوں۔

ۛ عدلِ سلطان گر نہ پرسد حالِ مظلومانِ عشق
گوشتہ گیراں رازِ آسائش طمع می باید برید

جب یہ خیر خواہ مسافت طے کیے "اجین" کے قریب پہنچا، تو
جسوت سنگھ جو شاہزادہ کلاں کے اشارے سے اس خیر خواہ
کی ایذا رسانی کے لئے وہاں مامور تھا سنگِ راہ بن گیا۔ اور بلا لحاظ
آداب و حقوق نہایت دلیری کے ساتھ حکم کیا کہ "مراجعت نمودہ
بمکان خود برود والا خواہ دید" نیازمند کے
سنجیدہ پیغامبروں نے اسے متانت اور سنجیدگی کے ساتھ
بہت کچھ سمجھایا کہ صرف اعلیٰ حضرت کی زیارت کے لئے
جانا مقصود ہے مگر اس کے مغرور ذہن میں ایک بات بھی نہ
آئی، اور وہ اپنے لشکر و قوت کے گھمنڈ میں آمادہ جنگ ہو گیا
ایسی صورت میں ہر ذی ہوش کا کام تھا کہ اس راستے کے پتھر
کو راستے سے ہٹا کر اسے غرور اور تکبر کا مزہ چکھائے۔

اگر خدمتِ اقدس میں حاضری کے علاوہ کوئی اور مقصد
ہوتا تو ظاہر ہے کہ جب جسوت سنگھ اور اس کا لشکر شکست
فاش کھا کر بدحواس بھاگ رہا تھا تو پیچھا کر کے انہیں قتل
کر دیا جاتا۔ یا کم از کم قید کر لیا جاتا۔ مگر یہاں تو صرف راستہ
صاف کرنا مقصود تھا۔

اب شاہزادہ دارا شکوہ بذاتِ خود دھولپور تشریف لاتے

ہیں۔ آپ نے دریائے چنبل کے تمام گھاٹوں پر توپ خانے اور
 فوجی دستے مقرر کر کے میسرے دریاکا عبور کرنا غیر ممکن بنا دیا
 تھا۔ مگر اس غیر ممکن کونیا زمند نے ممکن بنا دیا ہے۔ اور دریائے
 چنبل سے پار ہو کر حضور والا کی قدمبوسی کا ارادہ کئے ہوئے ہے۔
 سنا جا رہا ہے کہ اب بذات خود میدان کارزار گرم کریں گے
 یہ ان کی بزرگانہ شان کے خلاف ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مجھ
 ایسے کار آزمودہ جنگجو کے مقابلے پر ان کا بازی لے جانا قطعاً
 ناممکن ہے۔ اس لئے بہتری اسی میں ہے کہ اپنی بزرگی کا وہ خود
 احترام کریں اور اس ارادے کو ترک کریں اور اپنے علاقہ پنجاب
 میں تشریف لے جائیں۔ اور کچھ دنوں اس نیازمند کو اعلیٰ و
 اقدس (یعنی شاہجہاں) کی خدمت میں باریابی کا موقع دیں۔

مگر افسوس دارا حکومت کی طلب میں اندھا ہو چکا تھا اور شاہجہاں
 دارا کی محبت میں، اس نے عالمگیر کی ایک نہ مانی اور نہ چلتے دی۔ بالآخر
 ۷ رمضان المبارک ۱۰۶۸ھ کو دارا نے پورے اہتمام کے ساتھ اپنے لشکروں
 کو آراستہ کیا اور عالمگیر کے مقابلے کے لئے تیار ہو گیا۔ مگر شام ہونے
 سے پہلے ہی وہ بدحواس ہو کر بھاگنے پر مجبور ہوا اور سورج ڈھلنے کے
 بعد گرے جا پہنچا۔ شاہجہاں کے پاس جاتے ہوئے وہ شرماتا تھا۔ اس
 لئے چپکے سے راتوں رات یہاں سے بیوی بچوں اور جواہرات کے صندوقوں
 کے ساتھ دہلی پہنچ گیا۔

اس کے بعد داراشکوہ پنجاب اور گجرات میں تھوڑا تھوڑا عرصہ ٹھہر کر ایک سال تک عالمگیر کو شکست دینے کی برابرہ کوششیں کرتا رہا۔ بالآخر شوال ۱۰۶۹ھ میں گرفتار ہو گیا۔ وسط ذی الحجہ میں دہلی لایا گیا۔ ۱۰۶۹ھ ذی الحجہ کے آخری دن اسے قید ہستی سے رہائی مل گئی۔

داراشکوہ کے قتل کے بعد شہزادہ مراد کو جو اورنگ زیب کے ہمراہ تھا۔ تمام ہندوستان کی سلطنت کا لالچ دے کر توڑنے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ شاہجہاں نے اسے لکھا کہ تمام ہندوستان کی بادشاہت تمہیں دی گئی ہے۔ تم پر فرض ہے کہ ابھی کسی سے اس کا ذکر نہ کرو۔ بلکہ ایسا کرو کہ تھوڑے دنوں بعد اپنے بھائی اور بھتیجیوں (اورنگ زیب اور اس کی اولاد) کو اپنے یہاں دعوت کے بہانے بلا کر قتل کر ڈالو۔ تاکہ تمہارا راستہ بالکل صاف ہو جائے۔ پھر اس کے بعد تمام ملک میں اپنے نام کا سکھ اور خطبہ جاری کر کے بڑے اطمینان کے ساتھ حکومت کرو۔

پھر اس کے کچھ عرصہ بعد شجاع کے نام ایک خط ہندی زبان میں لکھا گیا جس میں اسے بادشاہت کا لالچ دے کر اورنگ زیب عالمگیر کے قتل پر ابھارا گیا۔ مگر حسن اتفاق سے وہ خط اورنگ زیب عالمگیر کے ہاتھ لگ گیا۔ ہر چند باپ کے اس رویے سے اُسے بڑا دکھ ہوا۔ تاہم اس نے باپ کے ادب و احترام کا پورا پورا خیال رکھا۔ اس نے شاہجہاں کے پاس ایک مفصل خط بھیجا جس کا مضمون یہ تھا۔

۱۰ اعلیٰ حضرت و دشمن ہیں۔ زمانہ کی گرمی اور سردی، پستی اور بلندی

کے تجربوں میں عمر گرامی کے بیشتر اوقات صرف ہوئے ہیں۔ اسی بنا پر میرا عقیدہ تھا کہ جو واقعات پیش آچکے ہیں ان کو تقدیری امور سمجھ کر اور اس امر پر راضی ہو کر کہ قضا و قدر کا فیصلہ یہی تھا کہ تخت و تاج اور سلطنت اس جانثار کے حوالے ہو۔ اس مرید کی شکست اور دوسروں کے کام کی رونق اور ترقی کی شورش نہ فرمائیں گے۔ چنانچہ جناب والا کے ساتھ نیاز مسند نے بڑی حد تک بہتر ہی سلوک کیا اور پوری خواہش تھی کہ مخالفین کی اس شورش کے ختم ہونے کے بعد حضرت والا کی رضا جوئی اور خدمت گزاری کے لئے جان و دل سے کمر ہمت کس لوں گا۔ ہر چند متنازعہ ہے کہ غبار فساد کی براہِ یگختی اور بندگانِ خدا کے معاملات کی یہ برہم خوردگی آنحضرت (شاہجہاں) کی تحریک سے ہے اور فرمانِ اقدس کے بموجب ہی بھائی صاحبان ہاتھ پیر مار رہے ہیں اور اپنی جانیں برباد کر رہے ہیں۔ مگر میں نے کبھی لوگوں کے کہنے پر کان نہیں دھرا اور شاہراہ عقیدت سے انحراف کا خیال بھی نہیں کیا۔ مگر جب اعلیٰ حضرت کی بے توجہی کی خبریں پے در پے اور مسلسل پہنچیں جیسا کہ اس تحریر سے ظاہر ہے جو شاہزادہ شجاع کے نام ہندی میں لکھی ہے اور جس کی بنا پر اس کے خانماں کا برباد ہونا جناب والا کو بھی معلوم ہے تو لا محالہ یقین ہو گیا کہ آنحضرت اس

ارادت کیش، عقیدت مند کو نہیں چاہتے اور اس کے باوجود کہ ہاتھ سے معاملہ نکل چکا ہے جناب والا اب تک جستجو میں ہیں کہ کوئی دوسرا ہی استقلال حاصل کر لے اور اس بندے کی وہ تمام کوششیں جو دین متین کی ترویج اور معاملات سلطنت کے انتظام میں خرچ ہو رہی ہیں، ضائع اور برباد ہو جائیں نیز یہ کہ جناب والا کسی صورت سے بھی اس طرزِ عمل اور فکر سے علیحدہ نہیں ہو سکتے۔ بلکہ احرار کے ساتھ اسی پر کار بند رہیں گے ان حالات میں مجبور ہو کر محض حرم و احتیاط کے طور پر تاکہ کوئی ایسی خرابی نہ پیدا ہو جائے جس کا تدارک ناممکن ہو۔ افسوس کہ اس آرزو کو عملی جامہ نہیں پہنا سکا جو میرے دل میں تھی۔ میرے قول کی صداقت پر خدا، توانا، شاہد اور گواہ ہے۔ اس ارادت مند کو اطمینان خاطر اس وقت حاصل ہو گا جب کہ وہ دو فتنے جو بار بار بے غیرتی کو اپنے سرے چکے ہیں فرار ہو کر ممالکِ محروسہ سے باہر نہ ہو جائیں یا توفیقِ الہی سے گرفتار ہو کر اپنے بھائی کے پہلو میں بیٹھیں۔

۵ سردارِ ملک تا برتن است

تن ملک را فتنہ پیراہن است

جب یہ فتنہ فرو ہو جائے گا پھر اس احتیاط اور پابندی کی ضرورت ہی کیا رہے گی۔

اور نگ زیب کا ایک خط شاہجہاں کے نام

”کیا حضور یہ چاہتے ہیں کہ میں پرانی اور فرسودہ رسموں کا سختی سے پابند رہوں۔ اور جو کوئی ہمارا نوکر چاکر مر جائے اس کی جائیداد ضبط کر لوں۔ اگرچہ شاہان مغلیہ کا یہ دستور برس ہا برس رہا ہے۔ کہ اپنے کسی امیر یا کسی دولت مند مہاجن کے مرنے کے بعد بلکہ بعض بعض اوقات تو دم نکلنے سے بھی پہلے ہی اس کے تمام مال و اسباب کا تعلیقہ کراتے تھے اور جب تک اس کے نوکر چاکر ایک ایک کر کے تمام چھوٹی بڑی چیزیں نہ تباہ دیں، ان پر سختی کی جاتی اور مار پیٹ کر قید میں بھی ڈال دیا جاتا تھا۔ اور یہ دستور بے شک فائدہ مند بھی ہے لیکن بچوانصافی اور بے رحمی اس میں ہے اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ اور اگر ہر امیر نیک نام خاں کا سا معاملہ کرے یا کوئی عورت اس بیوہ مہاجنی کی طرح اپنے مال پوشیدہ کرے تو اس میں وہ حق بجانب ہے کہ نہیں۔“

حضور کی ناراضی سے بہت ڈرتا ہوں اور یہ بات برداشت نہیں کر سکتا کہ حضور میرے طور و طریق کے بارے میں کوئی غلط رائے قائم فرمائیں، اور جیسا کہ حضور خیال فرماتے ہیں تخت نشینی سے مجھ میں خود رائے اور غرور پیدا ہو گیا۔ چالیس برس کے

تجربے سے حضور خود ہی خیال فرما سکتے ہیں کہ تاج شاہی کس قدر گراں بار شے ہے اور بادشاہ جب دربار سے اٹھتا ہے تو افکار کا بھجوم اس کے دل کو کتنا غمگین اور درد مند بناتا ہے۔ ہمارے مشہور معروف جد امجد جلال الدین محمد اکبر نے اسی غرض سے کہ ان کی اولاد عقل و فراست اور تمیز و نرمی کے ساتھ حکومت کرے اپنے عہد سلطنت کی تاریخ میں امیر تیمور گورگان کا ایک ذکر نمونے کے طور پر لکھ کر اپنی اولاد کو اس کی طرف توجہ دلائی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ جب بایزید یلدرم گرفتار ہو کر امیر تیمور کے حضور میں لایا گیا اور امیر بہت غور و فکر کرنے کے بعد اس مغرور قیدی کی طرف دیکھ کر سنس دیا تو بایزید نے خفا ہو کر امیر سے کہا کہ تمہیں اپنی فتح مندی پر غرور نہ کرنا چاہیے۔ عزت اور دولت اللہ کی طرف سے ہے اور ہو سکتا ہے کہ جس طرح تم نے آج فتح پائی ہے کلی میری طرح پکڑے جاؤ۔ امیر نے جواب دیا کہ میں دنیا اور اس کی حکومت اور دولت کی بے ثباتی اور ناپائیداری کو خوب سمجھتا ہوں اور خدا نہ کرے کہ میں اپنے کسی مغلوب دشمن کی ہتک کروں۔ اور میرے ہنسنے کا یہ سبب نہ تھا کہ تمہارا دل دکھاؤں۔ بلکہ مجھے تمہیں دیکھ کر اپنی اور تمہاری بد صورتی کے خیال سے بے ساختہ ہنسی آگئی۔ کیونکہ تم کانے ہو اور میں لنگڑا ہوں اور یہ خیال میرے دل میں گزرا کہ تخت و تاج اور سلطنت ایسی

کیا چیز ہے جسے پاکر بادشاہ اپنی ہستی کو بھول جاتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کو عطا کرتا ہے جو کانے اور لنگڑے ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضور یہ خیال فرماتے ہیں کہ میری مصروفیت ان امور کی بہ نسبت جہیں میں نے نزدیک سلطنت کے نظم و نسق، ملک داری اور اندرونی استحکام کے لئے اہمیت حاصل ہے۔ نئی نئی فتوحات اور ملک گیری کی طرف زیادہ ہونی چاہئے۔ مجھے اس بات سے ہرگز انکار نہیں کہ ایک بڑے شہنشاہ کا عہد حکومت نئی نئی فتوحات کے سبب متمیز اور ممتاز ہوتا ہے۔ اور اگر میں ایسا نہ کروں تو گویا اپنے نامور بزرگ امیر تیمور گورگان کی نسل کو دھبا لگاؤں گا۔ لیکن یہ بات بہر حال قرین انصاف نہیں کہ مجھے کاہل اور سست ہو کر بیٹھے رہنے کا الزام دیا جائے۔ کیونکہ بنگال اور دکن میں میری فوجوں کی مصروفیت کے بارے میں تو حضور بھی خیال نہیں فرما سکتے کہ وہ بیکار ہے اور میں حضور کو یہ بھی یقین دلاتا ہوں کہ بڑے سے بڑا ملک گیر حکمران بھی ہمیشہ سب سے بڑا بادشاہ نہیں ہوا۔ عام دیکھنے میں آیا ہے کہ کبھی کبھی دنیا کے اکثر حصے بالکل وحشی اور غیر مہذب قوموں نے فتح کر لئے اور نہایت وسیع و عریض سلطنتیں تھوڑی ہی مدت میں بالکل ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں۔ پس حقیقت میں سب سے بڑا بادشاہ وہی ہے جو رعایا پروری اور عدل و انصاف ہی کو اپنی زندگانی کا حاصل سمجھے۔

== خط == عالمگیر کا اپنے ایک بیٹے کے نام ==
فرزند عالی جاہ! ایک معتبر شخص کی زبانی یہ نقل کانوں تک پہنچی ہے

جو رشتہ تحریر میں منسلک کی جاتی ہے تاکہ آپ بھی اس سے سبق حاصل کریں۔

اعلیٰ حضرت (شاہجہاں) نے ایک روز علی مردان خاں اور سعد اللہ خاں کو خصوصیت کے ساتھ خلوت خاص سے نواز کر زبان گوہرِ قشاں سے فرمایا۔ ملک و مال کا بند و بست فہم و انصاف پر منحصر ہے۔ معاذ اللہ اگر کوئی بادشاہ جو قابلیت کے جوہر سے محروم ہو ترتیبِ خلافت پر فائز ہو جائے اور ایسے وزراء اور امراء کو جو حسن تدبیر سے عاری ہوں کام پر لگا دے تو نظم و نسق ممالک میں پورا خلل اور نقصان رونما ہو جائیگا۔ اس کا یہ فعل رعایا کی پریشانی، خلق اللہ کی بے سامانی، آمدنی کی کمی اور ملک کی ویرانی کے لئے ایک وثیقہ ہو گا۔ آپ دونوں صاحبانِ خدا کے لئے فقراء اور صلحاء کی خدمت میں حاضری دیتے ہوئے پانچوں نمازوں کے بعد دعا کرتے رہو کہ ہماری سلطنت کی رونق میں کوئی کمی نہ پیدا ہونے پائے۔ کوئی شخص ہمارے بارے میں زبان پر بُری بات نہ لائے اور ہمارے بعد جو بیٹا بھی فرمانروا ہوا سے اچھے کاموں کی توفیق ملے۔ بعض وقت خیال آتا ہے کہ ہمیں پورا خلافت (دارالاشکوہ) شان و شوکت اور تحمل و صورت کے اسباب و سامان بہت کچھ رکھتا ہے۔ لیکن وہ نیکیوں کا دشمن ہے اور بُروں کا دوست واقع ہوا ہے۔

ط. بابدان نیک و بد بہ نیکاں است
 شہزادہ شجاع میں صرف ایک وصف ہے یعنی سیر چشمی۔
 اس کے سوا کوئی اور وصف اس میں نہیں شہزادہ مراد مجہول الکفایت
 ہے۔ کھانے پینے کا شوقین ہے، شراب میں ہمیشہ مست رہتا
 ہے۔

داراشکوہ اور اس کا مذہب

ڈاکٹر برنیئر ایک فرانسیسی معالج تھا، جو ۱۶۵۶ء سے ۱۶۶۸ء تک
 پورے بارہ برس مغل دربار سے وابستہ رہا۔ وہ سیر و سیاحت کی غرض سے
 اس وقت یہاں پہنچا کہ جب شاہجہاں کے تخت و تاج کے لئے اس کے چاروں
 بیٹے داراشکوہ، شجاع، اورنگ زیب اور مراد باہم دگر دست و گریباں
 تھے۔ اس زمانے میں داراشکوہ جان چھپانے کے لئے گجرات میں مارا مارا
 پھرتا تھا۔ کہ وہیں کہیں برنیئر کی اس سے ملاقات ہو گئی۔ اور وہ دارا کے
 علاج معالجے کے سلسلے میں کچھ مدت کے لئے اس کے ساتھ ٹھہر گیا۔
 برنیئر نے اپنی آنکھوں دیکھے حالات کا آغاز چونکہ جنگ و جدل سے
 کیا جو حکومت و سلطنت کے لئے بھائیوں میں برپا تھا۔ اس لئے ہم

نے یہ مناسب سمجھا کہ اوزنگ زیب عالمگیر کی ذات والا صفات پر جتنے ایک الزامات عائد کئے جاتے ہیں ان کی تردید کے لئے برنیئر کے بیانات کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔ ہر چند برنیئر نے داراشکوہ کی بڑی طرفداری کی ہے تاہم اس سے وہ بھی یہ اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکا، کہ شاہجہاں کے بیٹوں میں صرف اوزنگ زیب حکومت و سلطنت کی صلاحیت رکھتا ہے۔

برنیئر داراشکوہ کے مذہب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے دارا گفتگو میں بہت شیریں زباں، حاضر جواب، نہایت خوش خلق، بے حد فیاض اور دریا دل تھا۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ بڑا ہی خود رائے اور خود پسند تھا۔ اسے یہ گھمنڈ تھا کہ میں اپنی عقل کی رسائی اور خوش تدبیری سے ہر کام کو مکمل کر سکتا ہوں اور ہر بات کا انتظام کرنے پر قدرت رکھتا ہوں۔ اور کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ کو صلاح و مشورہ دے سکے یا مجھ سے بہتر کوئی کام کر کے دکھا سکے۔ چنانچہ یہی وہ سبب ہے کہ داراشکوہ کے قریب رہنے والے بھی جن پر وہ اعتماد رکھتا اور بھروسہ کرتا تھا اس کے اس ناپسندیدہ طرز عمل سے شاکی ہیں۔ اور انھوں نے اُن کا رد وائیوں سے آفر دم تک اسے بے خبر رکھا جو داراشکوہ کے خلاف اس کے بھائی کر رہے تھے۔

داراشکوہ لوگوں کو ڈرانے دھمکانے میں بھی بہت تیز تھا۔ یہاں تک کہ سلطنت کے بڑے بڑے امیروں کو برا بھلا کہہ ڈالتا اور ان کی عزت ہتک کر بیٹھتا تھا۔ اگرچہ اس کا غصہ اور بد مزاجی اُن کی آن میں

جاتی رہتی تاہم یہ طرز عمل اس کے لئے نہایت نقصان دہ ثابت ہوا۔ اگرچہ داراشکوہ اسلامی روایات اور شعائر کو تسلیم کرتا تھا۔ اور تقریبات میں شریک ہوتا لیکن پھر بھی وہ ایک پیدائشی مسلمان سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔ کیونکہ وہ تخیل کے اوقات میں ہندوؤں کے ساتھ ہندو اور عیسائیوں میں مل کر عیسائی تھا۔ پنڈت اور ہندو سادھو ہمیشہ اس کے ساتھ رہتے تھے۔ اور یہ انہی لوگوں کی صحبتوں کا نتیجہ تھا کہ داراشکوہ کے اسلامی عقائد میں ضعف پیدا ہو گیا۔ مگر بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ داراشکوہ کا کوئی مذہب نہ تھا وہ یہ سب دکھاوے کے لئے کرتا تھا۔ اس میں مصلحت یہی تھی کہ وہ عیسائی جو اس کے توپخانے میں نوکر تھے، اور ان کی تعداد بھی کافی تھی۔ اسے عیسائی سمجھ کر پسند کریں اور اس سے محبت کرنے لگیں۔ اور اپنی ہندویت ظاہر کرنے سے اس کا مقصد یہ تھا کہ باج گزار ہندو راجاؤں کا دل اپنی مٹھی میں کر لے تاکہ ضرورت کے وقت ان سے امداد اور تعاون حاصل کر سکے۔ لیکن عیسائیوں اور ہندوؤں کے مذاہب اور عقائد کی طرف رغبت کرنے کے یہ جھوٹے حیلے بہانے کسی طرح بھی اس کے ارادوں اور منصوبوں کے لئے کارآمد ثابت نہ ہو سکے۔ یہی سبب ہے کہ اوزنگ زیب نے داراشکوہ کا قتل جائز ٹھہرایا کہ وہ کافر اور لامذہب یعنی بے دین ہو گیا ہے۔

شاہجہاں کی زندگی کے آخری دنوں میں داراشکوہ کو سلطنت کے تمام کاروبار اور انتظام میں پورا دخل حاصل ہو چکا تھا۔ جب شاہجہاں

کی اولاد نے دیکھا کہ باپ لب مرگ سے اور بیماری سے اٹھنے کی اب کوئی امید نہیں تو چاروں بیٹے اپنی اپنی جگہ بادشاہت کے حصول کی جدوجہد کرنے لگے۔

ظاہر ہے کہ باپ کے جیتے جی بادشاہت کے حصول کی جدوجہد جنگ و جدل سے خالی نہیں ہو سکتی تھی۔ چنانچہ برٹنیر اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ شاہجہاں اس وقت ایک عجیب ناامیدی اور غم و یاس میں گرفتار تھا۔ ایک طرف تو یہ دیکھتا تھا کہ اب مراد بخش اور عالم گیر یہ دونوں کسی طرح سلطنت میں داخل ہوئے بغیر نہ رہیں گے۔ دوسری طرف داراشکوہ کو لڑائی کی بڑی بڑی تیاریاں کرتے دیکھ کر اسے سخت اضطراب ہوتا تھا۔ کیونکہ وہ خوب جانتا تھا کہ جن آفتوں کو وہ طرح طرح کی تدبیروں سے ٹالنا چاہتا تھا اب اس خاندان پر آنیوالی ہیں۔ لیکن داراشکوہ کی خواہشوں کو روک بھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ اول تو بیماری کی سختیوں ہی سے چھٹکارا نہیں ہوا تھا۔ اس کے علاوہ داراشکوہ کی منہ زوریوں سے مجبور ہو کر فوج اور ملک کے کام سے ہاتھ اٹھا بیٹھا تھا اور امراء اور وزراء سے کہہ چکا تھا کہ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کریں۔ غرض کہ ان دنوں اس کی حالت یہ تھی کہ داراشکوہ تو بادشاہ اور حاکم تھا اور وہ نوکر اور محکوم۔

اورنگ زیب کا سلوک | نظر بندی کے دنوں میں اورنگ زیب کا شاہجہاں سے کیا سلوک تھا۔ ڈاکٹر

برنیر اس کے بارے میں یوں لکھتا ہے :
 اگرچہ اوزنگ زیب نے شاہجہاں کو آگرے کے قلعے میں بڑی احتیاط
 سے قید کیا ہوا تھا لیکن اس سے نہایت ادب اور ملائمت کا سلوک کیا جاتا
 تھا۔ اُسے ان شاہی محلوں میں بھی رہنے کی اجازت دے دی گئی تھی
 جن میں وہ پہلے رہا کرتا تھا۔ اور اس کی مشہور بیٹی بیگم صاحب سے
 بھی ملنے کی اجازت تھی اور محل کی متعلقہ عورتیں مثلاً باورچی خانے کا عملہ
 اور گانے اور ناچنے والیاں وغیرہ عورتیں سب موجود رہتی تھیں اور اس
 کے علاوہ اس کی کسی بات کو رد نہیں کیا جاتا تھا، جو طلب کیا جاتا فوراً
 پیش کیا جاتا۔ جب یہ بڑھا شاہجہاں رقص و سرود کی محفلوں کو چھوڑ کر
 عابد و زاہد بن گیا تو قرآن پاک کے قاری اور مولوی صاحبان اس کے پاس
 جا کر قرآن سناتے اور اگر کبھی کھیل تماشے کو جی چاہتا تو خاصے کے گھوڑے
 بازجرے وغیرہ شکاری جانوروں کے منگالینے پہنوں اور پیٹھوں کی لڑائی
 کا تماشہ دیکھنے کی بھی اجازت تھی۔

غرض اوزنگ زیب کا سلوک شاہجہاں سے نہایت مؤدبانہ، ہمدردانہ
 رہا۔ اس سے جہاں تک ہو سکتا تھا اپنے بوڑھے باپ کی ہر طرح سے دلہی
 اور خاطر داری کرتا تھا۔ اکثر اوقات نہایت اعلیٰ اعلیٰ تحفے تحائف بھیجتا رہتا۔
 اور سلطنت کے اکثر معاملات میں شاہجہاں کو ایک پیر و مرشد کی نگاہ سے
 دیکھتے ہوئے اس سے رائے لیتا اور مشورے حاصل کرتا اور اوزنگ زیب
 کے ان خطوں سے جو وہ اکثر اپنے باپ کے نام لکھتا رہتا کمال اطاعت

اور فرمانبرداری ظاہر ہوتی تھی۔ پس اس طرح شاہجہاں کا غصہ ٹھنڈا پڑ پڑ گیا۔ اور اوزنگ زیب سے دل صاف ہو گیا۔ حتیٰ کہ وہ بھی اپنے بیٹے اوزنگ زیب کو نہایت اخلاص اور دلسوزی کے ساتھ سلطنت کے بارے میں رائے اور مشورے دینے لگا۔ اس کے علاوہ داراشکوہ کی بیٹی کو بھی اس کے پاس بھیج دیا۔ اور وہ ہمیشہ بہا ہیرے جواہرات جن کے دینے سے پہلے انکار کر دیا تھا اور صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ اگر تم نے پھر مانگا تو انہیں کوٹ کر چورا کر ڈالوں گا۔ مگر تمہیں نہیں دوں گا۔ اپنی خوشی سے اپنے آپ اوزنگ زیب کے پاس بھجوا دیئے اور صرف یہی نہیں بلکہ اپنے بائیں بیٹے یعنی اوزنگ زیب کی سب غلطیاں معاف کر کے اس کے حق میں دعائے خیر بھی کی۔

شاہجہاں کے نام خط | بعد اداۓ مراسم عقیدت عرض ہے کہ حضور کے دست مبارک سے لکھا ہوا فرمان اس مرید

کے عرضیہ کے جواب میں وصول ہوا جس کا مطالعہ باعث بصیرت اور وجہ سرور تھا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے حضور کی سلامتی اور صحت و عافیت کی توقع ہے۔ قضا و قدر کے تابع فرمان یہ مجبور بندہ مشیت ایزدی کے مطابق بڑے خطرناک بھنور میں جا پڑا تھا۔ اور بلحاظ ظاہر و باطن بڑے بڑے صدمے اسے برداشت کرنے پڑے، اب وہ اپنی خجالت و شرمندگی کے بارے میں کیا عرض کرے۔ کیونکہ اعلیٰ حضرت پر سب کچھ روشن ہے۔ یہ عاجز تو ہمیشہ درگاہ ایزدی میں دست بدعا رہتا ہے کہ حضور والا کی خوشنودی

اسے حاصل ہو جائے اور اسے تلافی مافات اور خطاؤں پر عذر خواہی کا موقع مل جائے تاکہ وہ قبلہ و کعبہ کی خوشنودی کے مطابق خدمت انجام دے۔ مجھے امید ہے کہ آپ اپنی دعاؤں میں مجھے یاد رکھیں گے۔ بعض معاملات پر عملدرآمد جیسا کہ اس سے پہلے لکھا گیا ہے، اضطراراً ہے۔ مجھے اس سلسلے میں بھی ہزار بار شرمندگی ہے۔ خواجہ سرا خط نویس کی جس وقت بھی آپ کو ضرورت ہو حکم فرمائیں، فوراً خدمت میں حاضر کر دیا جائے گا۔

شہابجہاں کے نام

بعد اوائے مراسم عقیدت و عبودیت عرض خدمت ہے کہ حضور کے خط خاص سے لکھا ہوا صحیفہ بڑی مدت کے بعد صادر ہوا۔ جس کا مطالعہ میرے لئے سعادت کا باعث ہے۔ جو حال آپ نے لکھا تھا واضح ہو گیا۔

خطوط پر پابندی اور نگرانی کے بارے میں آپ نے دریافت فرمایا ہے، یہ بات حضور پر ڈھکی چھپی نہ رہے، کہ ابتداء ہی میں اور ان حالات کے رونما ہونے کے بعد ہی سے جو تقدیر الہی کے تحت پیش آئے۔ میرا عقیدہ یہ رہا کہ حضور "عقل کل" ہیں۔ اور حضور کی لمر گرامی کے بیشتر اوقات زمانہ کے پست و بلند اور دنیا کے تجربات میں گزرے ہیں۔ آپ نحو ان امور کے قضا و قدر کا نتیجہ جان کر اس ارادت مند کے

معاملات کو بگاڑنے اور دوسروں کے معاملات کو رونق دینے کی کوشش نہ فرمائیں گے۔ جبکہ ارادہ الہی ان کے شامل حال نہیں اسی یقین پر میں نے بہتر سے بہتر سلوک کو قائم رکھا تھا اور یہ خواہش تھی کہ شورش کے رفع ہو جانے کے بعد حضور والا کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔ اور اس طرح دین و دنیا کی سعادت مجھے حاصل ہو جائے گی۔

اس دوران میں یہ بات بار بار سننے میں آئی کہ اس فتنہ و فساد کے اٹھنے اور مخلوق کے معاملات کے درہم برہم ہونے میں حضور والا کی تحریک کار فرما رہی ہے اور یہ بھائی آپ ہی کی ہدایت پر ہاتھ پیر مار رہے ہیں اور جان لٹا رہے ہیں مگر میں نے ان لوگوں کی باتوں پر کان نہیں دھرا اور حضور والا کی عقیدت سے انحراف نہیں کیا۔ لیکن افسوس آنحضرت کی بے توجہی کی اطلاعات برابر پہنچتی رہیں۔ چنانچہ یہ بات شجاع کے نام ہندی میں لکھے ہوئے قلمی خط سے بخوبی واضح ہے۔ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آنحضرت اس مرید کو بالکل پسند نہیں فرماتے۔ اور جو کچھ ہاتھ سے نکل چکا ہے اس کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں کہ دوبارہ ہاتھ آجائے اور اس عاجز کی تمام کوششوں پر پانی پھر جائے۔ حالانکہ یہ عاجز، غلام احکام دین کے اجراء اور مہات مملکت کے انتظام میں لگا ہوا ہے۔

اب کہ آپ کسی طرح بھی اپنے خیالات کو نہیں چھوڑنا چاہتے
 اور اپنی اس روش پر برابر اصرار کر رہے ہیں۔ مجھے مجبوراً احتیاطی
 تدابیر اختیار کرنی پڑیں۔ اور فتنہ و فساد کے تدارک کے لئے مجھے
 وہ کچھ کرنا پڑا جس کے لئے خدا گواہ ہے کہ میرا دل آمادہ نہیں تھا۔
 مجھے تو اب اس وقت اطمینان ہو گا کہ جب وہ فتنہ پرداز
 جو دو مرتبہ بے غیرتی کے ساتھ میرے مقابلے سے بھاگ نکلے۔ وہ
 ممالک محروسہ سے نکل جائیں یا اللہ پاک کی توفیق و مدد سے گرفتار
 ہو کر اپنے تیسرے بھائی کے ساتھ بٹھا دیئے جائیں۔

ۛ سردارث ملک تا بر تن است
 تن ملک را فتنہ پیر امن است

انشاء اللہ تعالیٰ جب مدعیان ملک کا معاملہ ان دو صورتوں
 میں سے کسی ایک طرح طے پا جائے گا تو پھر بلا وجہ ان احتیاطی
 تدابیر کو باقی نہیں رکھا جائے گا۔

آپ نے آب دارخانے کے بارے میں لکھا تھا اس صورت
 میں جبکہ حضور ہمیشہ محل میں رہتے ہیں۔ غسل خانے میں آب خاصہ
 کی آخر کیا ضرورت ہے؟ اور یہ لباس خانہ پر جو مہر لگائی
 گئی تھی وہ صرف متعلقہ داروغہ کے فوت ہو جانے سے بھٹی۔
 دوسرے داروغہ کے مقرر ہوتے ہی پوشاک مبارک بدستور
 بلا رحمت پہنچتی رہے گی۔

نشاہجہاں کے نام

بعد ادا ئے وظائفِ عقیدت عرض ہے کہ اس مرید با صفا کے
 عریضے کے جواب میں منشورِ عطوفت بڑی نیک ساعت میں صادر
 ہوا۔ خطاؤں اور غلطیوں کی معافی کی خوشخبری سے بڑی مسرت اور
 خوشی حاصل ہوئی۔ اب میں آپ کے الطافِ کریمانہ کا امیدوار ہوں۔
 اللہ کا شکر ہے کہ اعلیٰ حضرت نے انصاف اور قدر دانی کی رو سے
 عفو کو انتقام پر ترجیح دی ہے۔ اور مجھ سراپا گناہ اور روسیہ کو
 غم و فکر اور اندوہِ ملال کے گرداب سے بچا لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی سے امید ہے کہ اس کے بعد
 اس مرید سے ایسی کوئی بات نہ ہونے پائے گی۔ وہ عالمِ غیب جسے
 جھوٹ پر گواہ بنانا اہل اسلام کے نزدیک کفر اور تمام مذاہب
 کی نظر میں قابلِ مذمت خیال کیا جاتا ہے۔ بخوبی جانتا ہے کہ یہ
 مرید کبھی مرضی والا تبار کی مخالفت کا مرکب نہیں ہوا اور نہ ہے۔
 جیسا کہ اہل نفاق آپ کو یقین دلاتے ہیں وہ بالکل غلط ہے
 یہ بندہ تو خود کو حضور کا نائب سمجھتے ہوئے اس عظیم ذمہ داری کو
 سرانجام دے رہا ہے۔ لیکن چونکہ نیابت کے اظہار کی صورت میں
 ملک و ملت کے نظم و نسق اور عوام کی تسلی کا امکان نہیں تھا اس
 لئے ملک و ملت کے حالات کے تقاضے سے مجبور ہو کر چند روز

کے لئے یہ طرز عمل اختیار کرنا پڑا۔ جسے دل قطعاً پسند نہیں کرتا۔
خدا جانتا ہے کہ اس سلسلے میں مجھے کتنی شرمندگی ہے۔

انشاء اللہ تعالیٰ جیسے ہی سلطنت میں مکمل امن و امان قائم
ہوا فتنہ و فساد فرو ہوا حضور والا کی پسند اور مرضی مبارک کے مطابق
تمام معاملات تشکیل پا جائیں گے۔

یہ مرید جس نے اپنی زندگی کا مقصد صرف حق کی رضا جوئی
اور حسن خدمت کو قرار دیا ہے۔ آخر وہ اس دنیا سے فانی کی خرافات
کے لئے کس طرح اس بات پر راضی ہو سکتا ہے کہ حضور والا کے
اوقات مبارک جن کی خوشی پر جان و مال اور اہل و عیال سب
قربان ہیں، اطمینان سے نہ گزریں۔ اور محل کے خدام آپ کی
خدمت گزاری کی سعادت سے محروم رہیں۔

اس دوران میں چونکہ شجاع فاسدارادہ لے کر الہ آباد

پہنچ چکا ہے اور وہاں شورش برپا کرنے میں مصروف ہے۔
یہ مرید بھی جسے ابھی ابھی بڑے شہزادے کی طرف سے کچھ
فراغت نصیب ہوئی اللہ تعالیٰ کی امداد اور اس کی تائید کے
بھروسے پر اسی ماہ کی ۱۷ تاریخ کو الہ آباد کی طرف روانہ ہو
رہا ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول کی اور حضور والا کی باطنی توجہ
سے امید ہے کہ بہت جلد اس قضیے سے فارغ ہو جائے گا۔
اس کے بعد وہ قطعاً کسی بھی معاملے میں آپ کی مرضی مبارک

کے خلاف عمل نہیں کرے گا۔

حضرت والا پر یہ بات پورے طور پر واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی امانتیں ایسے ہی شخص کے سپرد فرماتا ہے جو رعیت کی نگہداشت کی ذمہ داریاں اٹھا سکے۔ عقلاً جانتے ہیں کہ بھڑیا پانی کا اہل نہیں ہوتا۔ اسی طرح کوئی کم حوصلے کا شخص حکومت ایسے امر خطیر کی ذمہ داریوں کو سرانجام نہیں دے سکتا۔ کیونکہ حکمرانی سے پاسبانی خلق مراد ہے۔ نفس پرستی اور شہوت رانی نہیں بہر کیف اللہ تعالیٰ اس مرید کو حضور والا کے بارے میں خجالت اور شرمندگی سے نجات دے۔

حضور نے جو اس مرید کی خطاؤں اور لغزشوں کو معاف کر دیا ہے اور شہزادہ داراشکوہ کے جواہرات عنایت فرمائے ہیں اس پر وہ تل سے تسلیمات بجا لاتا ہے۔ اور اس فضل و عنایت پر بے پایاں اظہار تشکر و امتنان کرتا ہے۔

(ماخوذ من منتخب اللباب)

شاہجہاں نے اکتیس برس نہایت شان و شوکت کے ساتھ حکومت کی ۱۶۵۷ء میں وہ نظر بند ہوا۔ تقریباً آٹھ سال تنہائی میں گزارے۔ ۱۶۶۷ء میں پیغام اجل آگیا۔

عالمگیر کو جب دنیا سے باپ کے اٹھ جانے کی اطلاع ملی تو سخت ملول ہوا۔ پدر گرامی کی قبر پر جا کر بہت رویا۔ آنسو بہائے اور فاختہ پڑھی۔

قتل شجاع

شہزادہ شجاع بتیس سال سے بنگالہ کی صوبہ داری پر چلا آ رہا تھا عیش و عشرت کی جو زندگی اسے میسر تھی اس نے اسے نہایت کاہل اور سست بنا دیا تھا۔ چونکہ داراشکوہ سے اسے بھی رقابت تھی اس لئے وہ بھی عالمگیر کا ساتھی بن گیا۔ یعنی عالمگیر مراد اور شجاع کے درمیان جو ہم آہنگی، یگانگت تھی یہ اتحاد ثلاثہ صرف داراشکوہ کے استیصال کے لئے اس کے خلاف قائم ہوا تھا۔

شجاع ایک مدت سے اس بات کی آرزو رکھتا تھا کہ صوبہ بہار، یا کم سے کم پٹنہ اسے دیدیا جائے۔ مگر پٹنہ سے ملحق صوبے چونکہ دارا کے تھے اور وہ پسند نہ کرتا تھا کہ اس کے صوبے کی سرحدیں اس کے کسی بھائی کے صوبوں کی سرحدوں سے ملتی ہوئی ہوں۔ اس لئے شجاع کی یہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔ پھر جب شاہجہاں کے انتقال کی خبر پھیلی تو شجاع نے بھی مراد کی طرح اپنے استقلال کا اعلان کر دیا اور سلطنت کے تخت پر جلوس کیا نیز اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کرایا اور اپنے علاقے کی حدوں کو بنارس تک وسیع کر لیا۔ داراشکوہ نے بھائیوں کو راستے سے ہٹانے کے لئے سب سے پہلے ہی کام کیا کہ اپنے بیٹے سلیمان شکوہ اور راجا جے سنگھ کو شجاع کے مقابلے کے لئے بنارس بھیج دیا۔ شجاع نے پہلے ہی حملے میں شکست کھائی اور میدان

جنگ سے فرار ہو کر مونگیر جا پہنچا۔ ممکن ہے اس مرحلے پر دارا شکوہ کامیاب ہو جاتا مگر اس نے جو عالمگیر کے مقابلے میں جسوت سنگھ کو بھیجا تھا وہ ناکام رہا۔ اس لئے دارا نے اپنی امداد کے لئے مجبور ہو کر سلیمان شکوہ اور راجا جے سنگھ کو واپس بلا لیا۔

جب اوزنگ زیب نے آگرے کو فتح کر لیا تو شاہجہاں سے سفارش کر کے بہار کا صوبہ شجاع کو دلوادیا اور اس کے ساتھ ہی اسے لکھ بھیجا کہ فی الحال بہار کا صوبہ اپنے تصرف میں لائیں۔ جب ہماری فوجیں دارا کی مہم سے فارغ ہو جائیں گی اس وقت کئے گئے وعدے پورے کئے جائیں گے۔

ہرچند اوزنگ زیب نے بڑی فراخ حوصلگی کا مظاہرہ کیا۔ باوجود اس کے کہ شجاع کی کمزوری جو اس کے لالچی ہونے کے سبب تھی ظاہر ہو چکی تھی، مگر اوزنگ زیب پھر بھی اس سے مہربانی سے پیش آیا۔

درحقیقت شاہجہاں نے ہندی میں اس کے نام جو خط لکھا تھا جس میں اسے بادشاہت کا لالچ دیا گیا تھا وہ اس فریب میں آچکا تھا اور سخت لالچی اور حریص ہونے کے سبب اس کا پیمانہ طلب ابھی تک پُر نہیں ہوا تھا چنانچہ ان عنایات کے باوجود شجاع ایک پست ہمت، بے مروت، حریص اور زبردل انسان کی طرح ہر وقت موقع کی تلاش میں رہنے لگا۔ حتیٰ کہ عالمگیر کا پیچھا کرتے ہوئے وہ ملتان پہنچ گیا۔ اس دوران میں مراد گرتار ہو چکا تھا اور آگرے کے قلعے میں قید تھا۔ شجاع نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہ اوزنگ زیب تنہا ہے فوراً پٹنہ سے اپنی فوجوں کے کوچ کا حکم دیدیا۔

بنارس، الہ آباد اور رتھاس وغیرہ کے قلعے ابھی تک دارا کے ملازموں کے پاس تھے۔ دارا نے چپکے سے کہلا بھیجا کہ یہ قلعے شجاع کے سپرد کر دیں۔ اب شجاع اپنے لشکر حرار کے ساتھ بڑھتا ہوا الہ آباد تک پہنچ گیا۔ عالمگیر کو جب اس کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے بیٹے محمد سلطان کو حکم دیا کہ وہ آگرہ کی موجودہ فوج کو لے کر آگے بڑھے، اس کے بعد پھر وہ خود بھی روانہ ہوا۔ جسوقت سنگھ جو دھرات پور میں شکست کھا کر بھاگ نکلا تھا راجا جے سنگھ کی سفارش پر جسے عالمگیر نے معاف کر کے شریک فوج کر لیا تھا اس موقع پر عالمگیر کے ہمراہ تھا۔

۱۷ ریح الثانی ۱۰۶۹ھ میں میدان کارزار میں فوجوں کو مرتب کیا گیا جسوقت سنگھ کو بھی بمیں کی کمان دی گئی لیکن اس نے لڑائی سے ایک رات پہلے شاہ شجاع سے خفیہ ساز باز کر لی۔ اور طے کیا کہ رات کو میں پیچھے سے عالمگیر کی فوج پر حملہ کروں گا۔ اور تم سامنے سے حملہ کر دینا۔ اس طرح ہم دونوں مل کر عالمگیر کا قلع فتح کر دیں گے۔

عین اس وقت عالمگیر تہجد کی نماز میں مشغول تھا لشکر میں یکایک شور اٹھا۔ پہریداروں نے آکر عالمگیر کو اطلاع دی کہ جسوقت سنگھ اپنی چودہ ہزار فوج کے ساتھ شاہی لشکر کو پریشان کرتا ہوا شاہ شجاع کے پاس جا رہا ہے۔ عالمگیر نے بڑے اطمینان سے اوراد و وظائف اور معمولات سے فارغ ہو کر میر حمزہ سے کہا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان اور فضل و کرم ہی ہے، اگر یہ منافق عین میدان جنگ میں یہ حرکت کرتا تو اس کا تدارک مشکل ہو جاتا۔

عالمگیر نے اس واقعہ کی اطلاع پانے کے بعد تقارہ اور سواری کا حکم دیا۔ اور باقی رات کا حصہ اس نے ہاتھی کی کمر پہ گزار دیا۔ صبح ہوئی تو سواری خاص کے فیلبان کو حکم دیا کہ جیسے تیسے بن پڑے ہمیں شجاع کے ہاتھی کے پاس پہنچا دو۔ ہر چند بھی خواہوں نے اسے خطرناک اقدام سمجھ کر عمل نہ کرنے کا مشورہ دیا تاہم عالمگیر فیصلہ کر چکا تھا چنانچہ حکم کی تعمیل ہوئی۔

شجاع نے اس جنگ میں شکست فاش کھائی اور وہ بھاگ کر ٹپنہ جا پہنچا۔ عالمگیر نے اس کے تعاقب میں اپنے بیٹے محمد سلطان اور سپہ سالار میر جملہ کو بھیج دیا۔ میر جملہ نے شجاع کو شکست پر شکست دیکر نگال چھوڑنے پر مجبور کر دیا چنانچہ وہ اپنے بیوی بچوں اور ساتھیوں کو لیکر ”مگہ قوم کے ملک ارچنگ“ کو چلا گیا۔ یہاں کے راجہ نے اُسے بڑے اعزاز اور احترام سے رکھا۔ لیکن شجاع نے وہاں کے مسلمانوں کے ساتھ ساز باز کر کے راجہ کے تخت پر قبضہ کرنے کے منصوبے تیار کر لئے جو عین وقت پر پکڑے گئے۔ اب راجہ بے حد غضبناک ہوا اور اس نے شجاع کی گرفتاری کے لئے فوج روانہ کی۔ جیسا کہ پرتگالی تاجروں کا بیان ہے کہ وہ اسی وقت اپنے تمام خاندان کے افراد کے ساتھ قتل کر دیا گیا اس طرح غریب الوطن ہو کر نہایت بے کسی میں اس نے جان دے ڈالی۔ اور باوجود ہزار کوششوں کے جو اورنگ زیب کے حکم پر افسروں نے اس کی تلاش میں کیں۔ آج تک اس کا پتہ نہ چل سکا کہ اس کا اور اس کے خاندان کا کیا حشر ہوا۔

رسم تخت نشینی

۱۰۶۸ھ حکم ذی قعدہ جمعہ کی نماز کے بعد اورنگ زیب کو سلطنت مغلیہ ہند کے تخت پر بیٹھنے کی سعادت حاصل ہوئی تخت نشینی کا مادہ تاریخ قرآن حکیم کی اس آیت سے نکالا گیا *اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولى الامر منكم*۔ اس کے علاوہ ”شہشاہ فلک اورنگ“ اور ”سزاوار سریر بادشاہی“ سے بھی تخت نشینی کی تاریخ نکل آتی ہے۔

تخت نشینی کی رسم کے ایک سال بعد جبکہ اورنگ زیب کے تمام دشمنوں کا قلع قمع ہو چکا تھا تاج پوشی کی رسم ادا کی گئی اور ابوالمظفر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کا لقب اختیار کیا گیا۔ اس سے پہلے روپے اور اشرفی کے سکوں پر ایک طرف کلمہ طیبہ اور دوسری طرف خلفائے راشدین کے اسمائے مبارک ہوتے تھے اورنگ زیب عالمگیر نے اس خیال سے کہ یہ سکے جب نامناسب جگہوں پر گر پڑتے ہیں اور لوگوں کے پیروں کے نیچے آتے ہیں جس سے بے ادبی ہوتی ہے لہذا بجائے اسماء کے سکوں پر حسب ذیل شعر نقش کئے جانے کا حکم دیا۔

سکہ زد در جہاں چوں مہر منیر

شاہ اورنگ زیب عالمگیر

ملا شاہ کشمیر نے جو دارا شکوہ کے پیر و مرشد تھے اور اپنے زمانے کے مشہور گوشہ نشین بزرگوں میں شمار ہوتے تھے۔ اورنگ زیب عالمگیر کی تاریخ

جلوس میں ایک قطعہ کہا جو درج ذیل ہے
 صحن دل من چوں گل خورشید تسکنت
 کا مد حق و غبار باطل رفت
 تاریخ جلوس شاہ حق آگہ را !
 ظل الحق، گفت الحق ایس را حق گفت

اکبر اعظم کے زمانے سے سلطنت مغلیہ کے سرکاری دفتروں میں ماہ و سال
 کا حساب عجی تاریخوں میں رکھا جاتا تھا۔ نیز جشن نوروز بھی بڑی دھوم دھام سے
 منایا جاتا تھا۔ اورنگ زیب نے ان باتوں کو اسلامی تہذیب کے خلاف
 متصور کیا۔ چنانچہ اس نے تخت پر بیٹھتے ہی عجی ماہ و سال کی بجائے عربی
 ماہ و سال مقرر کئے جانے کا حکم دیا اور جشن نوروز کو مناتے کا حکم فوراً
 منسوخ کر دیا۔



قتل مراد

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ شاہجہاں کے اسی خط کی بنیاد پر جس میں
 مراد کو ہندوستان کی بادشاہت سونپنے کا لالچ دے کر اورنگ زیب اور
 اس کی اولاد کو دعوت کے بہانے قتل کرنے پر اکسایا گیا تھا۔ داراشکوہ کے قتل
 کے بعد جسے مراد بھی اپنے حق میں خطرناک سمجھتا تھا۔ مراد کی بھی نیت

بدل گئی اور اس نے عالمگیر کو اپنے راستے سے ہٹانے کے لئے نہایت سرعت کے ساتھ فوج کی بھرتی شروع کر دی۔ حتیٰ کہ جب عالمگیر نے دارا کا پیچھا کرتے ہوئے دہلی کی راہ لی تو مراد بھی آگرہ سے اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا تا کہ وہ چپکے سے حملہ کر کے اورنگ زیب کو ختم کر ڈالے۔ عالمگیر چونکہ جانتا تھا کہ مراد بے حد لالچی ہے اس لئے کہ اسے کسی دھوکے اور فریب کا شہ نہ ہو اس کے پاس اڑھائی سو گھوڑے اور بیس لاکھ روپیہ بھجوا دیا۔ لیکن مراد کے رویے میں اس کے باوجود کوئی تبدیلی نہ آئی۔ بلکہ اس نے اپنے شہنشاہ ہند ہونے کا اعلان کر دیا اور اپنے افسروں کو شاہی خطابات تقسیم کرنے شروع کر دیئے۔

اس سے پہلے کہ مراد اپنے ناپاک ارادوں میں کامیابی حاصل کرتا۔ اورنگ زیب نے کمال حکمت عملی کے ساتھ اسے گرفتار کر لیا۔ ہر چند وہ بڑے سنگین جرم کا ارتکاب کر چکا تھا اور متحدر ہونے کا جو عہدہ وہ عالمگیر سے کر چکا تھا اسے توڑ چکا تھا۔ تاہم عالمگیر نے مروت سے کام لیتے ہوئے اسے قتل کرنے کی بجائے احتیاط کے طور پر اس کی محبوبہ کے پاس گوالیار کے قلعے میں نظر بند کر دیا جہاں وہ پورے چار برس رہا۔

ہر چند مراد کو قلعہ میں ہر طرح کی آزادی حاصل تھی لیکن وہ برابر کوشش کر رہا تھا کہ وہاں سے بھاگ نکلے۔ چنانچہ اس سلسلے میں سب سے پہلے اس نے اپنے ذاتی ملازموں کو ساتھ ملا لیا جن میں مشہور شیعہ مؤرخ خانی خاں کا باپ بھی تھا۔ اس کے بعد اس نے ان درویش صورت مغلوں کو اپنا ہمدرہ بنالیا جو گوالیار میں رہتے تھے۔ غرض ان سب نے مراد کو قید سے بھاگ

نکلنے کیلئے بڑی مدد بہم پہنچائی۔ مگر عین اس وقت جب وہ فرار ہونے کی ٹھان رہا تھا پہریداروں کو پتہ چل گیا اور وہ پھر گرفتار کر لیا گیا۔ اگرچہ اس موقع پر بھی وہ کڑی سزا کا مستحق تھا۔ لیکن عالمگیر نے پھر بھی درگزر سے کام لیا اور بجائے قتل کرنے کے احتیاط کے طور پر قید ہی میں پڑا رہنے دیا۔

عالمگیر کا خیال تھا کہ جب حالات معمول پر آجائیں گے مراد کو برادرانہ سلوک کے ساتھ رہا کر دیا جائے گا۔ مراد کی بد قسمتی کیٹے کہ ایک سید زادے نے اپنے باپ علی نقی کے قصاص کا مطالبہ کر دیا جسے مراد نے شراب کے نشے میں شک و شبہ کی بنا پر ناحق قتل کر دیا تھا۔ ہرچند قاضی نے مدعی کو خون بہا لینے کی ترغیب دی لیکن وہ کسی طرح نہ مانا۔ قصاص ہی لینے پر مصر رہا۔ آخر کار عالمگیر کو قصاص کا حکم جاری کرنا پڑا۔ چنانچہ ۲۱ ربیع الثانی ۱۰۷۲ھ کو علی نقی کے جرم میں مراد کو قتل کر دیا گیا۔



اصلاحات

ایسے وہ تمام امور جو اسلام کی شریعت کے خلاف تھے لیکن ملکی مصلحتوں کے تحت اکبر کے زمانے سے مغلیہ سلطنت میں رائج چلے آ رہے تھے۔ اورنگ زیب نے سب سے پہلے انہی پر توجہ کی اور حالات کی اس حد تک اصلاح کر دی کہ وہ اسلام کی شریعت کے عین مطابق ہو گئے۔

اصلاحات عالمگیری پر ایک نظر ڈالیں تو ماننا پڑے گا کہ اورنگ زیب

نہایت خداترس اور بہت ہی رعیت پرور بادشاہ تھا۔ ایسے تمام محاصل جو رعیت پروری کے تقاضے کے خلاف تھے۔ باوجود اس کے کہ ان سے حکومت کو لاکھوں روپے کی آمدنی تھی۔ یک قلم سب کے سب موقوف کر دیئے۔

ارباب نشاط مثلاً گویے اور قوال وغیرہ جو اکبر ہی کے زمانے سے منسلک دربار سے وابستہ چلے آتے تھے اور شاہان مغلیہ کی ضیافت طبع کا سامان بہم پہنچاتے تھے۔ اور نگ زیب نے انھیں گانے بجانے کی زحمت سے نجات دلا دی۔ اور آئندہ کے لئے ممانعت کر دی کہ کوئی حاکم اپنے یہاں گانے بجانے والے گوتیوں، قوالوں اور کلانوت کو بالکل کوئی جگہ نہ دے۔

ایک مرتبہ گویوں اور قوالوں کی ایک جماعت ایک جنازہ لئے آگے پیچھے ماتم کرتی اور شور مچاتی ہوئی عالمگیر کے محل کے نیچے سے گزری۔ عالمگیر نے شور و غل سنا تو معلوم کیا کہ کیا ماجرا ہے۔ جماعت نے عرض کیا حضور ہم مردہ موسیقی دفنانے کو لے جا رہے ہیں۔ عالمگیر نے سنجیدگی سے کہا۔

”ہاں ہاں ضرور لے جاؤ اور اسے زمین میں اس طرح دفن کرو کہ پھر کبھی آواز نہ سننے میں آئے“

اس کے علاوہ ایک اور بدعت جسے اکبر نے اپنی سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر قائم کیا تھا۔ درشن کا جھروکا تھی۔ قاعدہ یہ تھا کہ بادشاہ بیمار ہو یا تندرست وہ ہر حال میں روزانہ مقررہ وقت پر درشن کے جھروکے میں آتا اور لاکھوں انسان جن میں زیادہ تر ہندو ہوتے تھے بادشاہ کے درشن کرتے اور پھر اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو جاتے تھے۔ یہ بدعت سیئہ چونکہ

ہندوؤں ہی کے خیالات کا نتیجہ تھی۔ اس لئے ہندوؤں میں اسے بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ یہاں تک کہ درشنی ہندو کے نام سے ہندوؤں میں ایک علیحدہ طبقہ پیدا ہو گیا۔ ان کا حال یہ تھا کہ وہ جب تک بادشاہ کی صورت نہ دیکھ لیتے کھانے کی کوئی شے منہ میں نہ ڈالتے تھے۔

عالمگیر ایسے توحید پرست بادشاہ نے ان بدعتوں کو جسے اس کے دادا اکبر نے قائم کر کے دین اسلام کی عظمت کو پامال کیا تھا ایک سعادتمند پوتے اور سچے مسلمان ہونے کی حیثیت سے پائے حقارت سے ہٹا کر اسلام کے جھنڈے کو مغل سلطنت کے در و دیوار پر بلند سے بلند تر کر دیا۔

شاعروں اور نجومیوں کو جنہیں سلطنت منغلیہ کے ہر زمانے میں بڑے بڑے اعزاز و مناصب حاصل تھے۔ عالمگیر نے انہیں تو صبح اوقات کا موجب خیال کر کے سابقہ رواج کو ختم کر دیا۔ زائچہ اور نجوم وغیرہ جنہیں جزو لازم خیال کیا جاتا تھا اسے اسلامی تعلیمات کے خلاف قرار دے دیا۔

عالمگیر نے دین داری کے جذبے سے جو قدم اٹھایا اس میں تمام تر مصلحت روح کار فرما رہی۔ ذاتی پسند و ناپسند کا کہیں شائبہ تک نہیں۔ یہ دین ہی کی سر بلندی اور اس کے فروغ و اشاعت کا جذبہ تھا کہ عالمگیر نے تمام امراء و وزراء اور سرداروں کے مقابلے میں قاضیوں اور عالموں کا مرتبہ اس قدر بڑھا دیا اور انہیں اس قدر اختیارات دیدیئے کہ سلطنت کے بڑے بڑے ارکان ان سے رشک و حسد کرنے لگے۔

عالمگیر کی دنداری، رعیت پروری اور عدل گستری کا اس سے بڑھ کر اور

کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ اس نے تمام سلطنت مغلیہ میں یہ اعلان کر دیا کہ جس کسی کو بادشاہ کے خلاف کوئی شکایت یا شرعی دعویٰ ہو وہ بادشاہی وکیل سے رجوع کر کے اپنا معاملہ صاف کرے۔ اس کے علاوہ جو لوگ کسی مجبوری کے سبب دارالحکومت میں پہنچنے سے معذور ہوں ان کی سہولت کے لئے شرعی وکیل مقرر کر دیئے۔

جن دنوں یہ فرمان جاری ہوا تھا کہ بادشاہ کے خلاف قاضی کی عدالت میں استغاثہ دائر کیا جاسکتا ہے۔ سورت کے ایک حاجی زاہد مرحوم کے بیٹے محمد محسن نے بادشاہ کے خلاف پانچ لاکھ روپے کی رقم جو اس کے بھائی مراد بخش کو قرض دی گئی تھی ادا نہ کرنے کا مقدمہ درج کروادیا۔ تاجر مذکورہ کا دعویٰ یہ تھا کہ فتاویٰ عالمگیری میں جو عالمگیری ہی کے نام سے منسوب ہے جیسا کہ تحریر ہے کہ اگر میت کے متروکہ پر اس کا کوئی وارث متصرف ہو جائے تو میت کے قرض کا ادا کرنا بھی اس پر لازم آتا ہے۔ لہذا مراد بخش نے احمد آباد میں اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کیا اور بندرگاہ کے تاجروں سے پانچ لاکھ روپے کی رقم قرض کے طور پر طلب کی تھی۔ جس کی تمام تاجروں کی طرف سے تنہا میرے باپ حاجی زاہد نے تعمیل کی اور پانچ لاکھ روپیہ دے دیا مگر وہ روپیہ چونکہ مراد بخش کے استیصال کے بعد آپ کے شاہی خزانے میں چلا گیا۔ اس لئے اب آپ کے اوپر لازم آتا ہے کہ قرض مذکورہ ادا کریں۔

بادشاہ نے اس پر ثبوت مانگا۔ محمد محسن نے اپنے دعوے کو مرتب کر کے ثبوت پیش کر دیا۔ اس کے علاوہ اس نے وہ فرد حساب بھی پیش کی جو شاہی خزانے میں اس عبارت کے ساتھ محفوظ تھی کہ محمد مراد بخش کے اموال کے منجملہ

پانچ لاکھ اشرفیاں بابت قرض حاجی زاہد تاجر سورت بحق سرکار ضبط کی گئیں۔
 عالمگیر نے کاغذات کا مطالعہ کرنے کے بعد کچھ دیر معاملے کے تمام پہلوؤں
 پر غور کیا۔ ابھی وہ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ تاجر مذکور نے اندازہ کر کے کہ عالمگیر اس
 کی رقم کو واپس کرنے کو تیار ہے اور پھر دینے کا حکم دیا چاہتا ہے۔ وہ ہاتھ
 جوڑ کر بولا:

”حضور! میری گزارش کا مقصد تو فقط اتنا ہی تھا کہ میرا حق
 واضح ہو جائے۔ رہی بات رقم کی تو میں اُسے آپ ایسے خدا پرست
 اور دیندار بادشاہ کی خدمت میں رعیت کی بھلائی پر خرچ کرنے
 کے لئے بطور نذرانہ پیش کرتا ہوں۔“

عہد عالمگیری سے پہلے قاعدہ تھا کہ جب کوئی منحل دربار کا امیر مرجاتا۔
 تو اس کے مرتے ہی تمام جاگیر بحق سرکار ضبط کر لی جاتی تھی۔ اس اقدام سے مرنے
 والے کے لواحقین سخت مشکل میں پڑ جاتے تھے۔ عالمگیر نے اس قاعدے کو جذبہ
 رحم کے خلاف پایا اور منسوخ کر دیا۔

شاہزادہ محمد معظم شاہ عالم جسے عالمگیر نے مصالح ملکی کے تحت نظر بند کیا تھا۔
 ہر چند قید میں ضرور تھا لیکن شفقتِ پدری سے ہرگز محروم نہ تھا۔ ایک روز عالمگیر
 نے اپنے ایک محرم راز کے ہاتھ شاہزادے کے پاس ایک قلمدان بھجوایا جس میں
 ضروری چیزوں کے علاوہ ایک چاقو بھی تھا۔ چونکہ پھری، چاقو یا کسی اور قسم کا
 چھوٹا ہتھیار حربہ، اوزار قید میں رکھنا خلاف ضابطہ تھا۔ اس لئے عالمگیر نے اپنے
 محرم راز کو تاکید کر دی کہ تم دیکھتے رہنا شاہزادہ قلمدان پانے کے بعد کیا کرتا ہے۔

اگر وہ قلمدان کھولنے کے بعد چاقو رکھتے میں تامل کرے تو اسے تم تبا دینا کہ یہ چاقو بادشاہ نے جان بوجھ کر خود اپنے ہاتھ سے رکھا ہے اور اگر وہ بے تامل چاقو رکھ لے تو اس سے کچھ نہ کہنا۔ چپکے سے میرے پاس چلے آنا۔

چنانچہ شاہزادے نے جب قلمدان کھولا اور جونہی اس نے چاقو دیکھا ہاتھ پیچھے ہٹا لیا اور اس کی طرف اشارہ کر کے کہا شاید یہ غلطی سے آگیا۔ اس شخص نے کہا۔ نہیں یہ بادشاہ نے خود اپنے ہاتھ سے رکھا ہے۔ اور مجھے تبا بھی دیا تھا۔

جب عالمگیر کا محرم راز شاہزادے سے مل کر واپس آیا اور اگر کیفیت بیان کی تو عالمگیر نے کہا۔ ہم اپنے بیٹوں کی غیرت کو خوب جانتے ہیں۔ پھر چند روز کے بعد بادشاہ عالمگیر نے بیٹے کو رہا کرنے کا ارادہ کرتے ہوئے اسے ایک تحریر بھیجی جس میں حدیث نبوی کا یہ حوالہ دیا کہ قرآن حکیم کا حافظ اگر چہ عمر قید کا سزاوار ہو تاہم اسے عمر قید کی سزا نہیں دی جاسکتی۔ ماشاء اللہ شاہزادے کو بھی نہاروں حدیثیں یاد تھیں۔ خط کا مضمون پڑھ کر اور یہ سمجھ کر کہ اب آبا حضور قید سے رہا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں عالمگیر کے خط کے جواب میں یوں تحریر کیا کہ حافظ قرآن کو جس دوام کی سزا نہیں دی جاسکتی۔ مگر باپ حفظ قرآن حکیم کے احترام کے باوجود بیٹے کو ہمیشہ کے لئے قید میں رکھ سکتا ہے۔

بیٹے نے باپ کی نقل کردہ حدیث کا جواب حدیث ہی کے حوالے سے پیش کر دیا۔ عالمگیر اس جواب پر بے حد خوش ہوا اور شاہزادے کے حال پر پہلے سے بھی زیادہ مہربان ہو گیا۔

وفات عالمگیر

جوں جوں عمر بڑھتی گئی کام کی زیادتی اور سخت محنت کے سبب توں توں بیماری اور کمزوری عالمگیر کو گھیرتی رہی۔ حتیٰ کہ سفر کا وقت قریب آگیا۔ عالمگیر تین چار دن سخت بیمار میں مبتلا رہا۔ خانی خان لکھتا ہے۔

”باوجود شدید علالت کے عالمگیر پانچ وقت کی نماز باجماعت ادا کرتے رہے یہ بلاشبہ ان کے متقی اور پرہیزگار ہونے کا یقین ثبوت ہے۔“

اس دوران میں حمید الدین خاں نے نجومیوں کی تجویز پر ایک ہاتھی اور ایک قیمتی الماس صدقہ دینے کی عرضداشت پیش کی۔ بادشاہ نے اس پر یہ تحریر کیا کہ ”ہاتھی صدقہ میں نکالنا ہندوؤں اور ستارہ پرستوں کا طریقہ ہے۔“ اور اس کے بجائے چار ہزار روپیہ قاضی القضاۃ کے پاس بھجوا دیا۔ کہ مستحقوں کو دے دیا جائے۔ اسی درخواست پر یہ بھی لکھا کہ اس خاکسار کو پہلی منزل پر پہنچنے کے بعد سپرد خاک کر دیا جائے تاہوت کو زینت نہ بنایا جائے۔

۱۱۱۸ھ میں جمعہ کے دن بادشاہ نے صبح کی نماز ادا کی اور کلمہ توحید کے ذکر میں مشغول ہو گئے۔ دن کا کچھ حصہ گزرا تھا کہ بادشاہ کی روح عالم بقا کی طرف پرواز کر گئی۔ اس وقت عمر نوے سال چند ماہ تھی۔ پچاس برس ڈھائی مہینے بادشاہت کی۔

(ماخوذ من منتخب اللباب خانی خاں)

وصیت نامہ عالمگیری

اول اینکه اس عاصی غرق معاصی را تلخیف و تفریش تربت مطہرہ مقدسہ
حینیہ علیہ السلام نمایند کہ معزز خاں بجر عصیاں را بغیر از التجاہاں در گاہ مرحمت و
غفران پناہ نیست مصالح دین سعادت عظمیٰ نزد فرزند ارجمند بادشاہنرادہ
عالیجاہ ست بگیرند ۔

دوم آنکہ ۔ چہار روپیہ دو آنہ از وجہ کلاہ دوزی نزد آیہ بیگم محلدارست
بگیرند و صرف کفن ایں بے چارہ نمایند و سہ صد پنچ روپیہ از وجہ کتابت قرآن
مجید در صرف خاص ست روز وفات بفقرا و دہندگان راہ از کتابت قرآن
نزد فرقہ شیعہ حرمت دارد بکفن و مایحتاج آن صرف نہ کنند ۔
سوم آنکہ ۔ باقی مایحتاج از وکیل بادشاہنرادہ عالیجاہ بگیرند کہ وارث قریب
و اولاد ایثالی اند و حلت و حرمت بر ذمہ ایثالی است بریں بے چارہ بازہ
پرس نیست کہ مرده بدست زندہ ۔

چہارم آنکہ ۔ ایں سرگشتہ وادی گمراہی را سر برہنہ دفن کنند کہ بر گنہگار تباہ
روزگار کہ سر برہنہ نزد بادشاہ عظیم الشان برہند ۔ البتہ محل ترحم نخواہد گردید ۔
پنجم آنکہ ۔ بر بالائے صندوق تابوت پارچہ سفید کنند کہ گزلی گویند پوشش
نمایند پوشش نمایند از شامیانہ و بدعت مغیناں و مولودی احترام کنند ۔

ششم آنکہ ۔ بر وادی ملک واجب باد کہ باخانہ زادان بے سرو پا کہ ہمراہ ایں
عاصی (دور از حیا) در دست و صحر گشتہ اند مدارات نمایند و اگر بتصریح تفصیرے

از پیرها واقع شود بعفو جمیل و صفح جزیل مکافات فرمایند۔

ہفتم آنکہ بہتر از ایرانی برائے مقصدی گرمی دیگرے نفیست و در جنگ ہم از عہد حضرت جنت آشیانی تا حال آندے ازیں فرقہ از محرکہ روگرداں نشدہ و پائے استقامت اینہا نہ لغزیدہ معہذا گاہے خود سری و حرام نمکی نہ کردہ اند لیکن چون بسیار عزت طلب اند با اینہا ساختن بسیار شکل بہر حال باید ساخت و کجدار مزید باید کرد۔

ہشتم آنکہ۔ فرقہ تورانی سپاہی مقرر اند و برائے تاخت و تاراج و شغون و قیدی کردن خوب اند از برگشتن در عین جنگ کہ ترجمہ تیر باز کشی ست و سواس و ہراس و خجالت ندارند و از جہل مرکب ہندوستان زبایاں کہ سربرد و لیکن جانزد و بعد مرحلہ دور اند۔ بہر حال ایں جماعت را محل رعایت باید داشت کہ اکثر جاہا ایں مردم بکار می آیند کہ دیگرے بکار نہ آید۔

نہم آنکہ۔ بامساوات لازم السعادت بارہ بموجب آیہ کریمہ وات ذالقریبے حقہ عمل باید نمود۔ حد احترام و رعایت خود گذاشت نباید کرد۔ ازیں راہ کہ بموجب آیہ کریمہ قل لا اسئلكم علیہ اجر الا المودۃ فی القربے محبت ایں جماعت اجر نبوت است۔ ہرگز مقصر نباید بود کہ شمر خیر دنیا و آخرت لیکن بامساوات بارہ کمال احتیاط باید نمود در محبت باطنی قصور نباید کرد۔ و بحسب ظاہر مرتبہ اینہا بناید افزود کہ شریک غالب بلکہ طالب ملک اند۔ اگر اندک استرخاء عنان شود دامت نخواہد شد۔

دہم آنکہ۔ تا معذور والی ملک خود را از حرکت معاف ندارد و از نشستن در یک مکان کہ در ظاہر صورت آرام و در واقع بنجر بہتر از مصیبت و آرام ست محترز باشد۔

یازدہم۔ برہسپراں ہرگز اعتماد نہ کند و طور مصاحبت در زندگی نہ نماید کہ اگر
اعلیٰ حضرت بادار اشکوہ چنین سلوک نہ کردند کار بایں جانے رسید و کلمۃ اللہ
عقیدۃ ہمیشہ مد نظر باید داشت۔

دوازدهم۔ عمدہ رکن السلطنت اطلاع اخبار ملکی ست و غفلت یک نقطہ باعث
ندامت سالہا دراز می گردد۔ کہ مقدمہ گریختن سیوا مقہور از غفلت شدہ تا آخر
عمر بہاں سرگرداں باقی بود۔

مبارک اثنا عشر اختتام بر دوازده وصیت کردہ شد۔

اگر دریافتی برداشت بوس

وگر غافل شدی افسوس افسوس

(حوالے کیلئے دیکھیئے و قائل عالمگیر صفحہ ۲۷ تا ۱۳۱)

اورنگ زیب عالمگیر
ایک ہندو مؤرخ جادو ناتھ سرکار کی رائے | کی تاریخ عملاً منہ و تان

کی ساٹھ سال کی تاریخ ہے۔ خود اس کا عہد حکومت (۱۶۵۸ء تا ۱۶۵۷ء)
سترھویں صدی کے نصف آخر پر حاوی ہے اور ہمارے ملک کا اہم ترین تاریخی
زمانہ ہے۔ یہ اسی بادشاہ کا درود مسعود تھا جب کہ حکومت مغلیہ اپنے انتہائی
عروج کو پہنچی، اور ابتداء عہد تاریخ سے برطانوی حکومت کے قیام تک
کے زمانے میں یہ شاید واحد حکومت ہے جس نے اتنی وسعت حاصل
کی۔

غزنی سے لے کر چاٹگام تک اور کشمیر سے لیکر نالک تک تمام ملک

ایک ہی فرمانروا کے زیرِ نگین تھا۔ اور لادک، مالابار کے دور دراز مقامات پر بھی اسی بادشاہ کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ اسلام کی آخری سب سے بڑی ترقی کا یہی زمانہ تھا۔

اس طرح سے جو حکومت قائم ہوئی تھی۔ ایک سیاسی وحدت تھی۔ اس کے مختلف قطعات پر ماتحت حکمرانوں کا تسلط نہ تھا۔ بلکہ بلا واسطہ بادشاہ کے ماتحت تھے۔ اور اس حیثیت سے اوزنگ زیب کی ہندوستانی حکومت اشوک، سمدر گپت یا ہرشورہن کی حکومت سے وسیع تر تھی۔ اس وقت تک کسی صوبہ میں بھی کوئی شخص ایسا پیدا نہیں ہوا جو شہنشاہ دہلی کے احکام سے سربازی کر سکتا۔

وہ مقام جہاں عالمگیر کی ابدی آرام گاہ واقع ہے خلد آباد کہلاتا ہے۔ خلد آباد اوزنگ آباد سے آٹھ میل اور دولت آباد سے تین میل کے فاصلے پر ہے۔ یہاں حضرت شیخ زین الدینؒ کا مقبرہ ہے جو اربابِ طریقت میں بڑے صاحب مقام ولی تھے۔ اوزنگ زیب عالمگیر کو اسی مقبرے میں دفن کیا گیا جس میں اس نے اپنے دفن کئے جانے کی وصیت کی تھی اور وہاں اپنی زندگی ہی میں اپنے لئے قبر تیار کرائی تھی۔

عمومی رائے

ہر چند خانی خاں نے اوزنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمہ کے بارے میں بے حد تعصب سے کام لیا ہے اور اکثر واقعات ایسے رنگ میں بیان کر دیئے ہیں جس سے عالمگیر کی حققت کا پہلو نکلتا ہے تاہم اتنا کچھ کرتے دھرتے وہ بھی اس بات کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گیا کہ تیموری خاندان میں بلکہ دہلی کے شاہان سلف میں بھی عالمگیر ایسا بادشاہ نہیں گزرا جو عبادت و ریاضت اور عدل گستری میں اپنا مقام رکھتا ہو۔ شجاعت، بردباری اور اصابت رائے میں عالمگیر بادشاہ کا کوئی ثانی نہیں۔ مگر شرع کی رعایت کے سبب تادیب و سزا کا حکم نہیں دیتا تھا اور ملک کا نظم و نسق بغیر تادیب و سزا کے قائم نہیں رہ سکتا۔ لہذا اسی نرمی اور مشفقانہ طرز عمل سے امراء میں باہمی لفاق اور دشمنی رہتی تھی۔ یہی وہ کمزوری تھی جس کے سبب کوئی تدبیر اور منصوبہ جو اصلاح احوال کے لئے پیش کیا جاتا تھا کامیاب ثابت نہیں ہوتا تھا۔

اوزنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمہ کے باوجود نوے سال کی عمر کو پہنچنے کے ہنر و حواس قائم رہے۔ صرف سماعت پر کچھ اثر تھا۔ لیکن اس کا بھی دوسروں کو ہتہ نہیں چلتا تھا۔ اوزنگ زیب عام طور پر شب بیدار اور عبادت گزار بادشاہ تھا۔ اکثر دنیوی لذات جو انسان کے لئے ضروری ہیں عالمگیر نے ترک کر دیئے تھے۔ تاثر عالمگیری کا مصنف محمد ساقی مستعد خاں جو برس لا برس اوزنگ زیب عالمگیر کے ساتھ رہا اور اس نے پورے ۲۰ سال تک عالمگیری دربار میں وظائف

نگاری کی خدمت انجام دی ہے وہ اپنی مشہور عالم اور مستند کتاب مآثر عالمگیری میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب کا سب اس کے اپنے آنکھوں دیکھے حالات پر مبنی ہے۔ اس اعتبار سے کہ مآثر عالمگیری کے مصنف کو اوزنگ زیب کی رفعت میں رہنے سے اوزنگ زیب کی شخصیت اور کردار کے ایک ایک پہلو کا کھلا موقع میسر آیا ہے۔ اوزنگ زیب کی سیرت کے باب میں مآثر عالمگیری حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔

مآثر عالمگیری کا مصنف اوزنگ زیب عالمگیر کے مذہب و عقائد اور خیالات کے بارے میں جو بیان پیش کرتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عالمگیر نہایت راسخ العقیدہ مسلمان اور مرد مومن تھا۔ وہ مذہباً سچی تھا اور اسلامی فرائض کو نہایت پابندی کے ساتھ ادا کرتا تھا۔

عالمگیر عام طور پر با وضو رہتا تھا۔ کلمہ طیبہ اور دوسرے وظائف ہر وقت اس کی زبان پر جاری رہتے تھے۔ فجر کی نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کرتا تھا۔ ہر ہفتہ میں شنبہ، پنج شنبہ اور جمعہ کے دن روزہ رکھتا تھا۔ جمعہ کی نماز تمام مسلمانوں کے ہمراہ ادا کرتا تھا۔ عالمگیر کا معمول تھا کہ اپنے محل کی مسجد میں تمام رات اولیاء اللہ کے ساتھ گفتگو میں مصروف رہتا۔

زکوٰۃ کی رقم شرعی حیثیت سے ادا کرنے میں پورے پورے اہتمام کرتا۔ تخت نشین ہونے سے پہلے بھی زکوٰۃ اپنی ضروریاتِ زندگی کے خرچ سے ادا کرتا اس کے علاوہ عہد حکومت میں ذاتی مصارف کے لئے جو چند گاؤں مخصوص کر رکھے تھے ان کی زکوٰۃ بھی خود ادا کرتا تھا اور اپنی اولاد و امجاد کو بھی تاکید کی

کہ زکوٰۃ کا نصاب مکمل طور پر ادا کریں۔

رمضان کا مہینہ آتا تو تراویح وغیرہ عبادات میں ادویاء و علماء کے ساتھ دوپہر رات تک مشغول رہتا۔ رمضان المبارک کے آخری عشرے میں مسجد میں اعتکاف کرتا۔ حج بیت اللہ جس کے ادا کرنے کا اسے بے حد اشتیاق رہا، اگرچہ مصروفیات ملکی کے سبب ادا کرنے سے محروم رہا تاہم اس سلسلے میں حاجیوں کے لئے جو رعایتیں اس نے مخصوص کر رکھی تھیں ان کے پیش نظر یقیناً کہا جاسکتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک حج کا ثواب اور نگ زیب عالمگیر کے نامہ اعمال میں لکھ دیا۔ اس کے علاوہ ہر سال اور کبھی کبھی دوسرے اور تیسرے سال کے بعد مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے زائرین و مجاہدین کے لئے بڑی بڑی رقمیں بھیجتا، اور حاجیوں کا ایک گروہ کثیر بادشاہ کی نیابت میں طواف حج و سلام رسانی وغیرہ خدمات عبادت میں ہمیشہ مصروف رہتا۔ علاوہ ازیں ایک جماعت مسجد نبویؐ میں اورنگ زیب کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن حکیم کے دونوں کی تلاوت کرتی تھی۔ اورنگ زیب نے قرآن حکیم کی خود اپنے ہاتھ سے کتابت کر کے اس کی دو جلدیں اسی مقصد کے لئے حرم نبویؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں رکھوا دیں تھیں کہ لوگ اس کی تلاوت کریں اور اس کے حق میں دعائے مغفرت کیا کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر کی ذات ستودہ صفات بامناج حسنات تھی۔ اورنگ زیب عالمگیر نے ابتدائے سن تیز سے تمام مکرمات و محرمات سے شدید پرہیز کیا۔ اور منکوحہ بیویوں کے سوا کسی

غیر محرم عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔

بارگاہ شاہی میں نغمہ و سرود کے کامل استاد ہر وقت موجود رہتے تھے۔ لیکن اورنگ زیب عالمگیر ان کی طرف بہت کم متوجہ ہوتا تھا۔ ابتداء میں تو کبھی کبھی نغمہ و سرود سے معظوظ ہو لیتا لیکن آخر میں اس سے بھی توبہ کر لی۔

۱۰۔ ارباب نشاط میں سے جو شخص گانے بجانے کے پیشے کو ترک کر دیتا عالمگیر اس کی گزر بسر کے لئے کچھ جاگیر عطا کر دیتا تھا۔ ایک مرتبہ مرزا مکرم خاں صفوی نے جو موسیقی کا ماہر کامل تھا اورنگ زیب عالمگیر سے پوچھا کہ نغمہ و سرود کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اورنگ زیب عالمگیر نے کہا جو اس کے اہل ہیں ان کے لئے حلال ہے۔ مرزا نے عرض کیا آپ باوجود اہل ہونے کے اس سے پرہیز کیوں فرماتے ہیں؟ اورنگ زیب عالمگیر نے کہا راگ، راگنیاں، بغیر مزامیر اور خاص کر پکھاوج کے مزامیریں دیتیں اور مزامیر بالاتفاق حرام ہیں۔ مزامیر کی حرمت کے سبب میں نے نغمہ و سرود سے بھی علیحدگی اختیار کر لی۔

اورنگ زیب نے عمر بھر کبھی شرع کے خلاف کوئی لباس نہیں پہنا اور نہ کبھی چاندی اور سونے کے برتنوں میں کھانا کھانے کو پسند کیا۔ لہذا اورنگ زیب کے مشرع اور متقی ہونے میں کوئی کلام نہیں۔

اورنگ زیب کی مجلس میں قاعدہ تھا کہ کوئی شخص کسی کی عیب جوئی اور غیبت نہ کرے اور اگر کسی شخص کے عیب کو بیان کرنا ہی لازم آئے تو ایسا انداز اختیار کیا جائے کہ اس میں عیب جوئی کا رنگ نہ پیدا ہو۔

اورنگ زیب عالمگیر کا یہ دستور تھا کہ روز دو یا تین مرتبہ منظر عام پر کھڑا ہو جاتا اور دادخواہ کسی رکاوٹ کے بغیر خدمت میں حاضر ہوتا اور اپنا معاملہ پیش کرتا۔ عالمگیر نہایت شفقت کے ساتھ اس کے حالات کو سنتا اور نہایت نرمی اور ملائمت کے ساتھ اس کا مناسب جواب دیتا۔ بعض اوقات سائل عرض مدعا میں بے تکلفی کی حد سے بھی گزر جاتا مگر عالمگیر بڑے تحمل اور بردباری سے کام لیتا اور ہرگز چپیں بہ جبیں نہ ہوتا۔ اگرچہ خواہوں نے عالمگیر سے بار بار عرض کیا کہ اہل غرض کا یہ انداز گفتگو مناسب نہیں۔ وہ عرض حال میں اکثر بے ادبی کر جاتے ہیں۔ آپ اس کی ممانعت فرمائیں۔ اورنگ زیب نے ہمیشہ یہی جواب دیا کہ سائل کو جھڑکنا اور اس طرز عمل سے روکنا مناسب نہیں۔ ان کی گفتگو کے اس انداز سے میری اصلاح ہوتی ہے اور وہ میرے نفس کو بردباری اور تحمل کا خوگر بناتی ہے۔

غیر مسلم افراد میں جو شخص مسلمان ہوتا اورنگ زیب عالمگیر خود اسے کلمہ طیبہ کی تلقین کر کے خلعت عطا کرتا۔ اورنگ زیب عالمگیر کا اسلام سے جتنا دلی تعلق تھا اس کا اندازہ ان بے شمار مساجد سے کیا جاسکتا ہے جو صرف اورنگ زیب عالمگیر کے عہد حکومت ہی میں تعمیر ہوئیں۔

غیر مسلموں پر جزیہ مقرر کرنا عہد عالمگیری کا وہ شاندار کارنامہ ہے جو اس سے پہلے کسی مسلمان فرمانروا سے انجام نہ پاسکا۔ اس کے علاوہ جس قدر خیرات و برات اور علماء و فضلاء کے وظائف عہد عالمگیری میں مقرر ہوئے سابقہ حکومتوں میں اس کا عشر عشر بھی دکھائی نہیں دیتا۔ رمضان المبارک کے مہینے میں

کم سے کم ساٹھ ہزار روپے محتاجوں اور مستحق لوگوں میں تقسیم کیے جاتے تھے۔
غریبوں، مسکینوں اور بیواؤں کی امداد کے لئے تمام ملک میں خیرات خانے
تائیم کئے۔ ممالک محروسہ میں جہاں کہیں مسافروں کے ٹھہرنے کے لئے سرائیں نہیں
تھیں وہاں سرائیں تعمیر کروائیں۔

تمام ممالک محروسہ کی مسجدوں کی ترمیم اور ان میں پیش امام اور مؤذن کا تقرر
عالمگیری حکومت کی طرف سے ہوتا تھا۔ اور اس مد پر ہر سال ایک رقم کثیر
صرف ہوتی تھی۔ سلطنت کی وسعت کے باوجود اس کا پورا پورا انتظام کیا گیا۔
ملک کے ہر شہر اور ہر قصبے میں مدرسین کے وظیفے اور علماء کے روزینے مقرر
کئے گئے اور انہیں گراں قدر جاگیریں بھی عطا کی گئیں۔ طالب علموں کی گزربسیر
اور ان کے اخراجات کی کفالت کا معقول انتظام کیا گیا۔

جس زمانے میں اوزنگ زیب عالمگیر بلخ میں عبدالعزیز خاں کے مقابلے میں
صف آرا تھا اور دشمن عالمگیری کی فوج کو چاروں طرف سے گھیر چکا تھا نماز کا وقت
آگیا۔ اوزنگ زیب نے ارادہ کیا کہ عین لڑائی کے میدان میں نماز کا فریضہ ادا کر
لے۔ بڑے بڑے امراء نے قضا کر کے ادا کرنے کا مشورہ دیا۔ کہا کہ یہ بڑا نازک
موقع ہے اس وقت آپ کا ادائے نماز میں مشغول ہونا خطرے سے خالی نہیں۔
لیکن اوزنگ زیب عالمگیر نے ان کی بات پر بالکل کوئی توجہ نہ دی۔ سواری سے
نیچے اترا اور پڑے اطمینان و سکون کے ساتھ نماز میں مشغول ہو گیا۔

عبدالعزیز خاں والی بنجارا نے جب یہ واقعہ سنا تو عالمگیری کی شجاعت و بہادری
کا اندازہ کر کے بے حد حیران ہوا۔ حتیٰ کہ جنگ سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ کہا کہ

جس شخص کی دینداری اور بہادری کا یہ عالم ہے اس سے جنگ کر کے فی الواقع اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

ہمارے نزدیک اورنگ زیب عالمگیر کے فضائل و مناقب میں جو شے اہم ہے وہ اورنگ زیب کا قرآن حکیم کا حافظ ہونا اور اس کی تلاوت کا خصوصی اہتمام کرنا ہے۔

اورنگ زیب عالمگیر نے قرآن حکیم کے دو نسخے جو اپنے ہاتھ سے لکھ کر مدینۃ النبیؐ میں بھجوائے تھے۔ ان کی جلد بندی اور جدول کی زیب و زینت پر مبلغ سات ہزار روپے صرف کئے تھے۔ علاوہ ازیں اورنگ زیب عالمگیر کی ایک فضیلت یہ بھی ہے جو اسے تمام مسلمان بادشاہوں سے ممتاز کرتی ہے عالمگیر کو فن خوش نویسی اور انشاء پر دازی میں بھی کمال حاصل تھا۔



اولاد

عالمگیر علیہ الرحمہ کے پانچ بیٹے اور پانچ بیٹیاں تھیں۔ عالمگیر نے ان سب کی تعلیم و تربیت بڑے اہتمام سے کی۔ تمام شاہزادے قرآن حکیم کے حافظ، اور علوم دینی میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ نیز ترکی و فارسی زبان بھی انہیں خوب آتی تھی۔ ان زبانوں میں تقریر و تحریر پر مکمل مہارت رکھتے تھے۔

علاوہ ازیں شاہزادیاں بھی تلاوت و کتابت قرآن حکیم میں دن رات مشغول رہتیں۔ نہایت پابند صوم و صلوٰۃ تھیں۔ اور دین کے احکام کی پوری پوری واقفیت

رکھتی تھیں۔

بیٹوں کے نام یہ ہیں۔ محمد سلطان ۱۰۴۵ھ میں ملکہ نواب بائی کے لطن سے پیدا ہوا۔ باپ کی زندگی ہی میں وفات پائی محمد معظم عالم شاہ ۱۰۵۰ھ میں نواب بائی کے لطن سے پیدا ہوا۔ محمد اعظم شاہ عالی ۱۰۶۲ھ میں دل رس بانو بیگم دختر شاہ نواز خاں صفوی کے لطن سے پیدا ہوا۔ محمد اکبر ۱۰۶۲ھ میں دل رس بانو بیگم کے لطن سے پیدا ہوا۔ محمد کام بخش ۱۰۷۷ھ میں بائی اودے پوری کے لطن سے پیدا ہوا۔

بیٹیوں کے نام یہ ہیں (۱) زینب النساء بیگم ۱۰۴۸ھ میں دل رس بیگم کے لطن سے پیدا ہوئی۔ قرآن مجید کی حافظ تھی۔ عالمگیر نے اسے تیس ہزار اثرفیاں قرآن حکیم حفظ کرنے کی خوشی میں بطور انعام عطا کیں۔ اس شانہرادی کے حکم سے ملا صفی الدین اردو بیلی نے قرآن حکیم کی تفسیر کبیر کا زیب التفاسیر کے نام سے عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا۔ عالمگیر کی زندگی میں ۱۱۱۳ھ میں اس نے وفات پائی

(۲) زینب النساء بیگم ۱۰۵۳ھ میں دل رس بانو بیگم کے لطن سے پیدا ہوئی قرآن حکیم کی حافظ تھی۔

(۳) بدر النساء بیگم ۱۰۵۷ھ میں نواب بائی کے لطن سے پیدا ہوئی۔ قرآن حکیم کی حافظ تھی۔ علم کے ساتھ عمل کو بھی ملحوظ رکھتی تھی۔

(۴) زبدۃ النساء بیگم ۱۰۶۱ھ میں دل رس بانو بیگم کے لطن سے پیدا ہوئی نہایت عابدہ و زائدہ تھی۔

(۵) مہر النساء بیگم ۱۰۷۲ھ میں اوزنگ آباد محل کے لطن سے پیدا ہوئی۔

اوزنگ زیب عالمگیر کے شبِ روز

اوزنگ زیب عالمگیر بحیثیت ایک حکمران کے شعور و آگہی کی کس منزل میں تھا اس کی زندگی کے شب و روز کیسے گزرتے تھے۔ اس کی مصروفیات کا کیا عالم تھا۔ جب ہم اس کے زمانے کی تاریخ پر ایک نگاہ ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ عالمگیر طلوعِ صبح سے پہلے بیدار ہوتا ہے۔ غسل اور وضو سے فارغ ہو کر دیوانِ خاص سے ملحقہ مسجد میں جا کر بیٹھ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ فجر کی نماز کا وقت آ جاتا ہے۔ بادشاہ اپنی جگہ سے اٹھتا ہے اور قلعہ کے دوسرے تمام چھوٹے بڑے ملازموں کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔

باجماعت نماز ادا کرنے کے بعد بادشاہ اپنے کتب خانے میں چلا آتا ہے اور وہاں کچھ دیر بیٹھ کر قرآن حکیم کی تلاوت کرتا ہے۔ پھر فقہ، حدیث اور تفسیر کی کتابوں کا مطالعہ کرتا ہے۔ جب صبح کے ساڑھے سات بجتے ہیں، تو رادخو اسی کے کام کو انجام دینے کے لیے دیوان خانے میں چلا آتا ہے۔ یہاں فریادی باری باری اپنی شکایات بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ اور بادشاہ نہایت عدل و انصاف کے ساتھ وہیں فیصلہ صادر کر دیتا ہے۔ اگر غریب و مفلس تلاشِ نوک اس کے حضور میں پیش ہوتے ہیں تو بغیر کسی توقف کے شاہی خزانے سے ان کی ضرورت پوری کر دی جاتی ہے۔

درشن جھروکہ جس کا طریقہ شاہجہان نے جاری کیا تھا۔ بعض مصلحتوں کو سامنے رکھتے ہوئے اور نگزب نے بھی کچھ دیر جاری رکھا۔ بادشاہ صبح ساڑھے آٹھ بجے درشن جھروکہ میں آتا، پھر فوج کے سپاہی اتنے جنگی کرتب دکھاتے، ہاتھی لڑائے جاتے، جنگی مشق کی جاتی، تیر اندازی ہوتی۔ اگرچہ شاہی فوج کی تربیت کے لیے یہ طرز عمل ضروری تھا۔ تاہم ہر روز نہیں ہوتا تھا۔ البتہ عوام کا انوردام روزانہ ہوتا تھا وہ بادشاہ کے حضور میں اپنے حالات بیان کرتے، شکایتیں پیش کرتے اور جلد ہی اپنی مراد کو پہنچ جاتے۔

سوانو بجے صبح بادشاہ دیوان عام میں آتا۔ جہاں چالیس ستونوں کے نشیمن میں سنگ مرمر کے تخت پر جا کر بیٹھ جاتا اور کاروبار سلطنت کے انجام دینے میں مصروف ہو جاتا۔ دو سو ایک فٹ لمبے اور تاسف فٹ چوڑے دیوان عام میں اراکین دربار دست بستہ کھڑے ہوتے۔ سب سے پہلے وزیر خزانہ جسے میرنجشی کہا جاتا تھا فوجی سپہ سالاروں اور حکومت کے امیروں کی درخواستیں پیش کر کے ہتھیار، خوراک، قلعوں کی مرمت اور سپاہیوں کی تنخواہوں کی منظوری حاصل کرتا۔ ملک کے ہر صوبے کے الگ الگ اخراجات کا تخمینہ پیش کرتا۔ بہادر سپاہیوں اور افسروں کے کاروائے نمایاں پر انھیں ترقی دینے اور خلعتِ فاخرہ عطا کرنے کے احکامات حاصل کرتا۔

میرنجشی کے فارغ ہونے کے بعد ملک کے مختلف صوبوں کے امراء اور حکام بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنے اپنے صوبوں کے حالات بیان کرتے۔ اس کے بعد میرانشی کی باری آتی، پھر توپ خانے کا مہتمم اور

محفوظ فوج کا سربراہ جسے میرا حدی کہتے تھے پیش ہو کر اپنے اپنے محکمے کے اخراجات کی منظوری حاصل کرتا۔ اور محکمے میں کام کرنے والے افراد کے لیے جو اپنے فرائض کے انجام دینے میں نہایت دیانت دار اور غلصہ ہوتے۔ جس کسی سے محکمانہ کارگزاری نہایت عمدہ ثابت ہوتی اس کے لیے اعلیٰ قدر انعامات و عطایات کے احکام صادر کرواتے۔ ان لوگوں کو نہایت قیمتی زیور، اعلیٰ نسل کے گھوڑے اور متھیا رانعام میں ملتے۔ جو اس کے مستحق ٹھہرتے۔

اس کے بعد شہنشاہ کی ذاتی زمین اور جائیداد کے نگران کی باری آتی وہ شہنشاہ کے گھر کے لوگوں رشتے داروں ملازموں اور متوسلوں کے بارے میں احکام حاصل کرتا۔ میرسا مان روزانہ کی آمدنی اور میربیوتات روزانہ کے خرچ کی منظوری لیتا، پھر اس کے خاص خاص اور مقدمات آگے بڑھتے، ہر صوبے کے گورنروں، سپہ سالاروں شہزادوں اور محکمہ مال کے سربراہوں کی وہ عرضداشتیں پیش کرتے جنہیں ڈاک بے گذشتہ رات سے صبح تک لے کر آتے۔ شہنشاہ ان عرضداشتوں کا خود مطالعہ نہیں کرتے تھے بلکہ خلاصہ کلام سن کر جواب میں ارشاد کرتے۔

اس کے بعد میرصدر پیش ہوتے جو ہندوستان کے تمام قاضیوں مفتیوں، اور عالموں کے سربراہ کہلاتے تھے۔ وہ ہر صوبے کے میرصدر کی جو مرکزی میرصدر کے ماتحت ہوتے تھے۔ شہنشاہ کی خدمت میں ارسال کردہ رپورٹیں پیش کرتے۔ جن علماء، مشائخ، سادات اور عباد کی گزر اوقات کے لیے مالانہ منظور کروانا ہوتا ان کے ناموں کی فہرست پیش کی جاتی۔ اس کے ساتھ ہی جاگیر اور منصب دینے کے احکام تصدیق ہونے کے لیے پھر سامنے لائے جاتے۔ انہی کے ساتھ

علماء و مشائخ کو مدد معاش دینے، مالگزاری معاف کرنے اور زمین دینے کے احکامات صادر ہوتے۔

یہ داروغہ عرض مکرر کا فرض منصبی قرار دیا گیا کہ وہ داد و دہش، خیرات و صدقات کے معاملات کے بارے میں شہنشاہ کو بار بار توجہ دلاتا رہے۔ اس سے پہلے کہ شہنشاہ دیوان عام کے اجلاس کو ختم کریں۔ جنگی ہاتھیوں، گھوڑوں اور شاہی ڈاکیوں کی سائڈنیوں کے راتب کا حساب پیش کر دیا جاتا اور کبھی کبھی ان جانوروں کو شہنشاہ کے معائنے کے لیے سامنے بھی لایا جاتا تھا۔

گیارہ بجے صبح شہنشاہ دیوان عام سے اٹھ کر دیوان خاص میں چلے جاتے جہاں محرمان راز کے سوا کسی کو پر مارنے کی مجال نہ تھی۔ وہاں سب سے پہلے سلطنت کے مختلف شعبوں اور حاکموں کے بارے میں پرچہ نویسوں (سی آئی ڈی والوں) کی خفیہ رپورٹیں پیش ہوتیں۔ پھر گورنروں کے نام فرمان شاہی ارشاد ہوتے۔ جب ان ارشادات کا مسودہ تیار ہو جاتا تو ملاحظہ کے لیے پیش ہوتا۔ اگر اس میں کسی ترمیم اور اضافے یا اصلاح کی ضرورت ہوتی تو شہنشاہ خود اپنے قلم سے لکھ کر اسے امیر الامراء کے سپرد کر دیتے۔

امیر الامراء فرمان شاہی کو خطاط کے حوالے کر دیتا۔ وہ اسے مرتع زبان میں قرطاس پر لکھ کر امیر الامراء کو واپس کر دیتا۔ اور وہ اسے پھر نظر ثانی کے لیے شہنشاہ کی خدمت میں پیش کرتا۔ اکثر و بیشتر اوقات ایسا بھی ہوتا کہ مہر شاہی کے سوا شہنشاہ اسی قرطاس پر اپنے قلم سے بھی چند سطریں تحریر کر دیتے۔

جب دوپہر ہو جاتی تو شہنشاہ دیوان خاص کا اجلاس برخاست کر کے

حرم میں چلے جاتے وہاں کھانا کھانے پھر تھوڑی دیر کے لیے آرام کرتے۔ اس کے بعد ظہر کی نماز ادا کرنے کے لیے اپنی خلوت گاہ میں چلے جاتے۔ خلوت گاہ میں شہنشاہ کا زیادہ تر وقت قرآن مجید لکھنے میں گزرتا۔ کچھ وقت فقہ کی کتابوں اور بزرگان دین کی سوانح عمریوں کے پڑھنے اور ان کے ملفوظات کا مطالعہ کرنے میں بھی صرف کرتے۔ اسی اثنا میں خاص امراء کے ذریعے جو شکایات شہنشاہ تک پہنچتی تھیں۔ ان کی سماعت کر کے پھر حرم میں چلے جاتے۔ اس دوران پھر وہاں خاص کر عورتوں، یتیموں اور بیواؤں کی درخواستوں پر غور کیا جاتا، اور ان کی مالی امداد کے لیے خیرات اور عطیات کا حکم دیا جاتا۔ اتنے میں عصر کی نماز کا وقت آ جاتا۔ نماز کی ادائیگی کے بعد عصر سے مغرب تک شاہی قلعے کے محافظوں کا معائنہ کیا جاتا اور سرکاری کاغذات دیکھے جاتے، پھر جب مغرب کی نماز کا وقت آتا تو قلعے کے چھوٹے بڑے تمام ملازموں کے شانہ بشانہ کھڑے ہو کر نماز کا فرض ادا کرتے۔ سنت اور نفل ادا کرنے کے بعد تھوڑی دیر تک چند خاص وظیفوں کا ورد کرتے۔ اتنے میں کافوری شمعیں دیوان خاص میں ہر طرف روشن ہونے لگتیں۔ شہنشاہ اپنے ہاتھ میں تسبیح لیے سیدھے ادھر چلے آتے۔ اور عثمانیہ محکمہ مال، محکمہ عدل اور فوج کے معاملات کے بارے میں عرضداشتوں پر غور کرتے اور فیصلہ فرماتے۔

جب عشاء کی اذان ہو جاتی تو دیوان خاص سے اٹھ کر مسجد چلے جاتے۔ نماز سے فراغت کے بعد کھانا کھاتے اور آرام کرتے۔ جب نصف شب گزر جاتی تو نماز تہجد ادا کرتے اور اپنی خواب گاہ خاص میں رب العزت کے سامنے روتے اور گڑ گڑاتے رہتے تھے۔

اوزنگ زیب تاریخ کے آئینے میں

ہمارے بزرگ شجاعت علی صدیقی مرحوم ملٹری اکاؤنٹنٹ جنرل پاکستان اپنے ایک مضمون میں اوزنگ زیب عالمگیر کے کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اوزنگ زیب کے دامن پر خون کے کچھ دھبے ہیں اس نے باپ کے تحت تک پہنچنے کے لیے اپنے بھائیوں سے لڑائی کی۔ اور ان میں سے دو کو قتل بھی کیا۔ بلاشبہ اس نے اپنے باپ کو نظر بند کیا۔ مگر یہ ساری روئداد صرف اس وقت قابل اعتراض ہو سکتی تھی۔ جب اوزنگ زیب بادشاہ بننے کے بعد ذاتی تعیش پسند کر لیتا اور عوام کو نظر انداز کر کے جبر و زیادتی کو شعار بنالیتا۔

اگر اوزنگ زیب کی زندگی اور اس کی جدوجہد کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اوزنگ زیب بھائیوں سے لڑا تو محض اس لیے کہ ہندوستان میں اسلام کو زندہ کرے۔ اور عوامی فلاح و بہبود کے اس آئین و دستور کو عالمی جامہ پہنائے جو اسلام نے تجویز کیا تھا۔ ہمارے خیال میں اس لحاظ سے اوزنگ زیب ہندوستان کے مسلمانوں کا سب سے بڑا محسن ہے۔ کہ اس نے اسلام کو متعارف کرانے اور اسلامی آئین کو بروئے کار لانے کے لیے اپنی زندگی خطرات میں ڈال دی۔

جس وقت اس کے باپ کی بیماری اور پھر موت کی خبریں پے در پے دکن آئیں۔ اور وہ زیادہ سے زیادہ تیس ہزار آدمیوں کے ساتھ برطان پور سے نکلا۔ کہ رستہ میں مراد اور شجاع سے مل کر اگرہ پہنچے، اور دارا سے مقابلہ کرے۔ اس وقت اس میں اور مراد میں جو خط و کتابت ہوئی اس سے ایک ہی بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ دارا سے اس لیے لڑنے کے لیے چلا تھا کہ دارا ملحد تھا، اور اُسے ڈر تھا کہ اگر اس ملحد کے ہاتھ میں سلطنت چلی گئی۔ تو یہ مسلمانوں کے لیے مرنے کا مقام ہو گا۔

اوزنگ زیب اور مراد میں جو خط و کتابت اس موضوع پر ہوئی۔ وہ رقعات عالمگیری میں موجود ہے۔ وہ بار بار دارا کو ملحد کہتا ہے۔ اور اس سے مراد کو ڈراتا ہے۔ یہ ایک امر واقعہ ہے۔ اس دور کے مؤرخین خانی خان، عاقل خاں رازی اور صاحب عالمگیر نامہ نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے۔ مثلاً خانی خاں کہتا ہے :-

”اس نے ملحد صوفیوں کی تقلید میں تصوف کو بدنام کیا اور کفر و اسلام کو ایک کر دیا تھا۔ اس نے اس باپ میں کئی رسالے بڑی آب و تاب کے ساتھ شائع کئے اور برہمنوں اور ہندو فقیروں کے ساتھ دوستی بڑھائی۔“

صاحب عالمگیر نامہ نے اس میں اضافہ کیا ہے۔ اس نے پنڈتوں اور عیسائیوں کی صحبت اختیار کر لی تھی۔ اس نے وید کا ترجمہ کیا تھا۔ اور اسے صحیفہ الہی سمجھتا تھا۔ اس نے اپنی انگوٹھی پر پھوپھو کے سنسکرت حروف کھدوائے تھے اور نماز روزہ اور دوسرے ارکان اسلام کو خیر باد کہہ دیا تھا۔

کہا جاسکتا ہے کہ صاحب عالمگیر نامہ کی تحریر تعصب پر مبنی تھی۔ لیکن اوزنگ زیب

اور شجاع کے جو خطوط رنقات عالمگیری میں چھاپے گئے ہیں۔ ان میں دارا کو ملحد کے
سوا کسی اور لقب سے یاد نہیں کیا گیا۔ مثلاً شجاع اورنگ زیب کو لکھتا ہے :-
بہ موجب عہد پیمان فی مابین بعزم قلع قمع ان ملحد بے دین۔

ایک دوسری جگہ بھی اسے ملحد ہی سے خطاب کیا گیا ہے :

بہ موجب قرار داد اول کسے کے بہ ملحد برہم زدہ۔

یہاں بھی ملحد سے مراد دارا ہے۔ تیسری جگہ بھی ملحد سے مراد دارا ہے۔ مثلاً

فتح یافتن بر ملحد ،

دور حویلی ملحد فرد آمدند۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اورنگ زیب نے دارا کے خلاف جو لڑائی شروع کی۔
وہ اس لیے شروع کی تھی۔ کہ اورنگ زیب کے نزدیک دارا ملحد تھا اور اگر اس
کی حکومت قائم ہو جاتی تو ہندوستان سے اسلام رخصت ہو جاتا۔

اورنگ زیب کے یہ خدشات غلط نہ تھے۔ دارا اکبر سے کہیں بڑا تھا۔ اور اگر
اورنگ زیب اس کے مقابلے میں نہ آتا۔ تو دارا کا پر و گرام قطعاً یہ تھا کہ ہندوستان
میں مغل حکومت ایک سیکولر اسٹیٹ بن جاتی۔ اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے مفائد
پر مشتمل ایک ایسا نیا دین مرتب ہوتا جو ان دونوں قوتوں کو ایک بنا دیتا۔

ہمارے نزدیک اورنگ زیب نے دارا سے جو لڑائی لڑی وہ شخص واحد کی لڑائی
نہ تھی۔ وہ اس جماعت کی لڑائی تھی جو اسلام کو دین حق سمجھتی تھی اور اسے رائج اور
نافذ کرنے کی آرزو مند تھی۔ یہ اس گروہ کی لڑائی تھی جسے اکبر نے ناکام رکھا۔
اور جس نے اورنگ زیب کا سہارا لے کر دارا سے اکبر کا انتقام لینا چاہا تھا۔

اوزنگ زیب بڑا سچیدہ جوان تھا۔ اگر دارا اور اس کی لڑائی میں شاہجہان غیر جانبدار رہتا، تو باپ بیٹے میں کبھی وہ تلخی پیدا نہ ہوتی جو باپ کی نظر بند ہی پر منتج ہوئی۔ باپ سے اسے جو گہرا تعلق تھا وہ رفعت عالمگیری کے ان خطوط سے واضح ہوتا ہے جو اوزنگ زیب نے باپ کے نام لکھے تھے۔

بہر حال دارا اور شاہجہان سے اوزنگ زیب کی لڑائی ذاتی نہ تھی۔ یہ عقیدہ کی لڑائی تھی۔ اور اوزنگ زیب کے عقیدہ کی رُو سے دارا قطعاً اس قابل نہ تھا کہ اس کے باپ کے تخت پر بیٹھتا۔ اور اس نے جان جو کھوں میں ڈال کر ایک کمزور فرقی ہوتے ہوئے بھی دکن سے آگرہ پر چڑھائی کی۔ تو محض اس لیے کی تھی کہ دارا کے سر سے تاج چھین لے، اور اسے اپنے سر پر رکھ کر ہندوستان میں ایک ایسی حکومت کی بنیاد رکھے جو خالص اسلامی حکومت ہو۔

وہ بڑا عابد اور مخلص بادشاہ تھا۔ اس کے زمانے کا سیاح برنیئر اس کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے :-

”اوزنگ زیب کی حکومت کے پانچویں سال جب وہ پایہ تخت دہلی پہنچا تو یہ جون کا مہینہ تھا، اور سخت گرمی پڑ رہی تھی۔ اوزنگ زیب نے اس گرمی میں رمضان کے پورے روزے رکھے۔ وہ روزے سے ہونے کے باوجود حکومت کے سارے کام کرتا۔ شام ہوتی تو زایدوں کے ساتھ مل کر روزہ افطار کرتا۔ افطار میں جو اور مکئی کی روٹی کھاتا۔ اور پھر تراویح پڑھتا۔ اور رات کا زیادہ تر حصہ عبادت میں گزارتا۔

سیاح برنیئر کا بیان ہے۔ کہ اس بادشاہ نے رمضان کے پورے

روزے رکھتے۔ رات بھر عبادت کی۔ اور روزہ جو اور مکئی کی روٹی سے افطار کیا۔ اور پھر ایسا بیمار پڑا کہ جان کے لالے پڑ گئے۔ خدا نے اسے اس خطرناک بیماری سے صحت دی مگر اس نے اپنا چلن نہ بدلا۔
صاحبِ تاثر عالمگیری نے بادشاہ کے کردار پر بہت مختصر مگر جامع گفتگو کی ہے۔ وہ کہتے ہیں :

”بادشاہ غازی مراتبِ دین کا بہت لحاظ رکھتا۔ وہ اسلام کے ارکان پر سختی سے کاربند تھا۔ اکثر وضو سے رہتا۔ کلمہ طیبہ اور دوسرے اذکار ہر وقت اس کی زبان پر رہتے۔ فرض نماز اول وقت میں پڑھتا۔ نماز عداً مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کرتا۔ ہفتہ میں تین دن لازمی طور پر روزے رکھتا۔ اور رمضان کے روزے کو تو قضا کرنا جانتا ہی نہ تھا تہجد بھی بڑی پابندی سے پڑھتا۔ اور کوئی ایسا فعل نہ کرتا جو شریعت کے خلاف ہو۔ اس نے کبھی ذاتی انتقام کے لیے کسی شخص کے خون سے ہاتھ نہیں رنگے۔ نہ کسی پر ذاتی غصہ ظاہر کیا۔ اور نہ ذاتی استیلا کی خاطر رعیت کو کسی قسم کا نقصان پہنچایا۔ اس نے کبھی کوئی ریشمی لباس نہیں پہنا۔ اور نہ سونے چاندی کو استعمال میں لایا۔ عموماً اس کے جسم پر بہت معمولی لباس ہوتا۔ جس میں پیوند لگے ہوتے۔ وہ روزانہ دو دفعہ اور کبھی تین دفعہ عوامی اجلاس کرتا۔ اس کی رعایا کے ہر فرد کو اس اجلاس میں شرکت کی اجازت تھی۔ اور ہر ایک کو حق تھا کہ اس کی ذات یا اس کے بڑے سے بڑے حاکم کے خلاف استغاثہ پیش کرے۔

کسی حاکم کو اجازت نہ تھی کہ کسی بھی شاکی کو شکایت کرنے سے روکے۔ وہ شکایتیں نہ صرف سنا، عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتا۔ اور مظلوم کو اس کا حق دلواتا۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ بعض عوام نے تلخ کلامی سے کام لیا اور اسے سخت سے سخت الفاظ کہے۔ اور اگر کسی پہرہ دار نے شاکی کو ٹوکا۔ تو اس نے کہا "ایسی باتیں سننے سے نفس کی اصلاح ہوتی ہے۔" مائٹر عالمگیری کے مصنف کا دعویٰ ہے کہ:-

"عالمگیر نے اپنی بادشاہت کے زمانہ میں جو منغل بادشاہوں کی تاریخ میں طویل ترین زمانہ ہے۔ ایک حکم بھی غیر شرعی نہیں دیا۔ وہ فقہاء کے مشورہ اور اپنے شرعی علم کے بغیر قطعاً کوئی کام نہ کرتا۔ اس کا کوئی فعل ایسا نہ تھا جس سے ملت کے مجموعی مفاد کو نقصان پہنچتا۔ اس کے عمومی مقصد کے مقابلہ میں اپنی ذات اور اپنا نفس قطعاً مار لیا تھا۔"

اس نے پوری قلمرو کے ایک منصبدار، حاکم اعلیٰ سے لے کر ادنیٰ مقدم تک کو یہ مستقل حکم دے رکھا تھا۔ کہ شریعت کے خلاف کوئی فیصلہ نہ کریں۔ اور نہ کوئی ایسا کام کریں جسے شریعت غیر مباح ٹھہراتی ہو۔

خدا اس کی روح کو ہزار ہزار سکون عطا فرمائے۔ اپنی رعایا کے غریبوں، محتاجوں، یتیموں، لنگڑوں، بونوں اور اندھوں کے لیے ہر بڑے شہر میں محتاج خانے قائم کر دیئے تھے۔ جہاں دونوں وقت مناسب خوراک انہیں کھلائی جاتی۔ جہاں سے موزوں لباس انہیں پہنایا جاتا۔

ہر شہر، ہر قصبہ اور ہر بڑی سڑک کے مناسب فاصلوں پر اس نے سرائیں

تعمیر کی تھیں کہ وہاں مسافر مفت رہائش رکھیں۔

اس نے جہاں کہیں بھی مساجد نہ تھیں، مساجد تعمیر کیں۔ جو مساجد مرمت کی محتاج تھیں ان کی مرمت کرائی۔ جہاں مؤذن و امام نہ تھے، وہاں مؤذن و امام ملازم رکھے، اور نگ زیب کے زمانہ میں ہر قصبہ اور ہر بڑے گاؤں کی مسجد کے مؤذن و امام کو سرکاری خزانہ سے تنخواہ دی جاتی تھی۔ ہر مسجد کے پہلو میں ایک ایک مدرسہ کھولا گیا تھا جہاں مسجد کے امام تعلیم دیتے اور بعض دوسرے اساتذہ بھی حسب ضرورت یہ خدمت انجام دیتے تھے۔

منشور فلاح عامہ

اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے فرمان میں کہا :-

”محبت، شفقت، مہربانی اور عنایت کا مظاہرہ کرو۔ یہی اسباب پیداوار و بڑھانے کا موجب ہیں۔ محبت اور شفقت سے کام لینے کے معنی یہ ہیں کہ رعایا سے متعینہ اور مقررہ لگان سے زیادہ ایک دھیلہ اور ایک پیسہ بھی وصول نہ کیا جائے۔ ہر علاقہ کا حامل اپنے ہاں کی رعایا کے جملہ حقوق کا محافظ اور نگران ہونا چاہیئے۔“

پھر محمد ہاشم طلب کئے گئے۔

”ہر سال کے شروع میں تم پر لازم ہے کہ تم اپنی رعایا سے متعلق ہر ممکن اطلاع مہیا کرو۔ یہ جانو کہ ان میں سے کون لوگ زراعت میں مشغول و مصروف ہیں، اور کون توجہ سے کام نہیں لیتے۔ اگر انھیں کسی مدد کی ضرورت ہو۔ وہ تمہاری توجہ و شفقت کے محتاج ہوں۔“

تو ان پر توجہ کرو۔ انھیں مدد دو۔ اور آئندہ مدد کے وعدے کرو۔ اگر تم یہ جانو کہ وہ مناسب بارش اور باقی سہولتوں کے باوجود زراعت میں ڈیپسی نہیں لیتے اور کھیت ویران کر دیئے ہیں تو انھیں ان کے تعافیل پر تنبیہ کرو اور ہر ممکن طریق سے انھیں اس کام میں مصروف کرو۔ اگر یہ دیکھو کہ کاشتکار محنتی بھی ہیں اور کام بھی کرنا چاہتے ہیں۔ مگر ان کے پاس کھیتی باڑی کے لیے سرمایہ نہیں ہے تو انھیں سرکاری خزانہ سے تقاوی دو۔ یہ اس لیے کہا گیا کہ ملک کی پیداوار بڑھے اور ملک خوشحال ہو۔ اگے چل کر اورنگ زیب نے اپنے اس عامل کو لکھا:-

جہاں زمین بے آباد پڑی ہو اور اس کا کوئی مالک یا دعویٰ دار نہ ہو۔ وہاں تم اپنی مرضی استعمال کرو اور زمین ایسے لوگوں کو دو جو اسے اچھی طرح کاشت کر سکیں۔ اور لگان اتنا مقرر کرو جسے وہ خوشی اور آسانی سے ادا کر سکیں اور جو شریعت کے قانون کے تابع ہو۔ اس فرمان میں یہ تاکید بھی کی گئی کہ:

جن علاقوں میں لگان نقد کی صورت میں متعین ہے۔ اگر وہاں کے کاشتکار جنس کی صورت میں لگان دینا پسند کریں تو تمہیں یہ سہولت ضرور بہم پہنچانی چاہیئے۔

اورنگ زیب کو اپنی رعایا کا اس قدر خیال تھا۔ کہ اس نے صراحت کی کہ اگر زمین کا کوئی ٹکڑا کسی معقول وجہ سے کاشت نہ کیا جاسکا ہو تو اس سال اس کا لگان وصول نہ کیا جائے۔ وصولی صرف مزدور زمین اور پیداوار پر ہو۔ اور اس

وقت ہو جب فصل کٹ کر غلہ کی صورت اختیار کرے ۔

ایسی تمام زمینیں جو نیک کاموں کے لیے وقف کی گئی تھیں یا وقف کی جائیں، ان کے متعلق اورنگ زیب اپنے اس فرمان میں کہتا ہے :

اگر کوئی آدمی اپنی زمین رفاہ عام کے کسی کام، کسی سرائے، کسی خانقاہ یا کسی عبادت خانہ کے ساتھ مخصوص کر دیتا ہے تو اسے مالگزار می سے معافی دے دو۔ تاکہ رفاہ عامہ کے کام میں رکاوٹ نہ ہو۔

اورنگ زیب کاشتکاروں اور مزارعین کے کام اور زرعی ترقی میں جس قدر دلچسپی لیتا۔ اس کا علم اس فرمان سے بھی ہوتا ہے جو اس نیک دل بادشاہ نے راسک داس کرڑی کے نام روانہ کیا تھا۔ اس کے پہلے الفاظ ہیں :-

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ بادشاہ کی سب سے بڑی خواہش اور آرزو یہ ہے کہ زراعت ترقی کرے۔ اس ملک کی زرعی پیداوار بڑھے۔ کاشتکار خوشحال ہوں۔

اس کے بعد شاہی فرمان شروع ہوتا ہے ۔

بادشاہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم اپنے ماتحت دیوانوں اور امینوں کے ذریعہ اپنے علاقہ کی زمین کی پوری کیفیت معلوم کرو۔ یہ جانو کہ کتنی مزرعہ زمین زیر کاشت آجائے۔ یہ زمین جن لوگوں کو دو۔ ان سے مضبوط قول و اقرار کرو اور آئندہ اچھے مستقبل کی امیدیں دلاؤ اور انہیں پورا کرو۔ جہاں متروکہ اور غیر مستعملہ کنویں پاؤ ان کی اپنے خوجے سے مرمت کراؤ۔ اور جہاں نئے کنوؤں کی ضرورت ہے وہاں نئے کنویں کھدواؤ۔ اور کچھ

ایسا انتظام کرو کہ رعایا یا کاشتکار ان سے پورا فائدہ اٹھا سکیں۔ اور انھیں اتنی پیداوار نصیب ہو کہ اپنا خرچ بھی نکالیں اور حکومت کا لگان بھی آسانی سے ادا کر سکیں۔ یاد رکھو اصل مقصود رعایا کی خوشحالی اور فلاح ہے۔ اس فرمان میں اس سے یہ بھی کہا گیا تھا کہ۔

وہ ہر گاؤں، ہر پرگنہ کی مزدور، غیر مزدور، آباد اور غیر آباد زمین کی مفصل روٹا و مرتب کرے۔ کھیتوں کی نسبتاً قوت پیداوار کا جائزہ بھی لے۔ کاشتکاروں کے نام بھی تحریر کریں۔ نیز ان دیہات یا کھیتوں کی تفصیل بھی لکھے جو سال ہا سال سے ویران پڑے ہیں۔ اور وہ تجاویز بھی تہائے جن سے انہیں آباد کیا جاسکتا ہے۔

سب سے بڑی چیز جس کی طرف اس فرمان میں اشارہ کیا گیا ہے وہ یہ تھی۔ کسی سرکاری عامل یا کسی چوہدری کو خلوت میں باریاب نہ کرو۔ اور نہ ان سے علیحدگی میں کچھ کہو۔ سب کو کھلی مجلس میں بلاؤ اور ان سے میانہ روی سے گفتگو کرو۔ خود کو رعایا سے براہ راست متعارف کراؤ غریبوں کو مواقع دو۔ کہ وہ براہ راست تمہارے پاس آئیں اور اپنی حالت تم سے بیان کریں۔ اس سے یہ فائدہ ہو گا کہ ان بیماروں کو اپنی شکایات کے ازالہ کے لیے کوئی اور وسیلہ تلاش نہ کرنا پڑے گا۔

امینوں کو حکم دو کہ وہ ہر سال شروع کے دنوں میں گاؤں گاؤں جائیں اور وہاں کے ایک ایک کاشتکار اور کسان کی کیفیت اور حالت سے واقف ہوں۔ اور مزدور اور غیر مزدور کھیتوں کا جائزہ لیں۔ امینوں

کو چاہیے کہ وہ کاشتکاروں میں کاشت کو بڑھانے کے ولولے پیدا کریں۔ ان کے حوصلے بڑھائیں جن کھیتوں میں اچھی پیداوار نہیں ہوتی انکی قوت پیداوار بڑھانے کے لیے دوسرے ذرائع استعمال کریں، اگر کہیں کاشتکار بد دل ہو کر کھیت چھوڑ گئے ہوں تو ان کو واپس لائیں ان کے اطمینان کے سامان پیدا کریں اور ان کے دل بڑھائیں۔

کوشش کرو کہ بنجر علاقے اور زراعت کے ناقابل زمینیں پھر سے کاشت ہو سکیں۔ اپنے امینوں کو یہ بھی حکم دو کہ وہ گاؤں گاؤں پھر کر ایک ایک کھیت کی پیداوار کا صحیح تخمینہ مرتب کریں۔ اور پھر اتنا مالہ تشخیص کریں جس سے حکومت کو بھی نقصان نہ پہنچے، اور رعایا بھی خوشحال اور مطمئن ہو۔

تم خود جب دورہ پر جاؤ تو گاؤں گاؤں پھرو، کھیت کھیت کا محاسبہ کرو۔ ایک ایک کاشتکار سے ملو۔ اور اس کی شکایتیں سنو۔ ان کی صحیح حالت کا جائزہ لو اور دیکھو کہ کہیں ان کے ساتھ بے انصافی اور زیادتی تو نہیں۔ مالہ ان کی پیداوار اور استطاعت سے زیادہ تو نہیں۔

یاد رکھو عدل و انصاف اور رعایا کی خوشحالی ہمارا مقصود اول ہے۔ اگر کہیں انکے کھیت ظالموں اور جابروں نے حق کے بغیر بار کھے ہیں۔ تو ان سے یہ کھیت واپس لے کر مستحقین کو دلوادو۔

اگر خدا نخواستہ کوئی آسمانی یا زمینی بلا کھیتوں پر نازل ہو جائے

تو امینوں سے کہو کہ ہر کھیت کا خود معائنہ کریں اور نقصان کی صحیح کیفیت ضبط تحریر میں لے آئیں۔

امینوں، مقدموں اور قانون گوئوں کے ایسے بیانات قطعاً قبول نہ کرو جن سے رعایا سے بے انصافی کا احتمال ہو۔

اس بات کی پابندی بھی تم پر لازم ہے کہ کہیں کوئی امین غیر شرعی محصول وصول نہ کرنے پائے۔ ہر چودھری اور ہر قانون گو سے ضمانت لو کہ ممنوع محصول وصول نہیں کریں گے۔ اگر تمہیں کبھی پتہ چلے کہ کسی عامل نے کہیں کوئی ممنوع یا غیر شرح محصول وصول کیا ہے تو بادشاہ کو اسی وقت مطلع کرو۔ تاکہ اس فرض ناشناس کو عبرتناک سزا دی جاسکے۔ ایماندار، مستعد اور نیکو کار عاملوں کی کارگزاری اور ناموں سے

ہمیں اطلاع دو۔ تاکہ انہیں نوازا جائے۔ فرض ناشناس اور غیر مستعد کارکنوں کی بھی ہمیں خبر ہونی چاہیے تاکہ انہیں سزا دی جاسکے۔

مرآت احمدی، خانی خاں، سہسوریا، عالمگیری میں اور نگ زیب کے کئی اور ایسے فرمان بھی درج ہیں جو اس اچھے بادشاہ نے کاشتکاروں اور دوسری رعایا کی فلاح و بہبود کے متعلق وقتاً فوقتاً تحریر فرمائے تھے۔

یہ امر واقعہ ہے اور کوئی مؤرخ حشی کہ سر جادو ناٹھ سرکار بھی اس بات سے اختلاف نہیں کر سکے۔ کہ اورنگ زیب نے عوامی فلاح و بہبود کے لیے بہت کام کئے، اور ایک ایسے ضابطہ و نظام کار کو متعارف کرایا۔ جو خالص اسلامی تھا۔

اگر اسے مرہٹوں سے نپٹنا نہ پڑتا اور اس کی قیمتی زندگی کے ۲۵ سال اس

لمبی لڑائی کی نذر ہو جاتے جو اس نے دکن میں مرہٹوں کے خلاف لڑی۔ تو اس کا عہد حکومت تاریخِ عالم میں مثالی دور رہا۔ اس لمبی لڑائی کے باوجود بھی اورنگ زیب کا یہ ایک مثالی کارنامہ ہے۔ اس نے لڑائی کے اخراجات کے لیے عوام پر کوئی نیا ٹیکس نہیں لگایا۔ اور نہ ان اسی محصولوں میں سے ہی کوئی محصول دوبارہ لگایا جنہیں وہ شروع میں معاف کر چکا تھا۔

کچھ لوگوں نے اورنگ زیب کی دکن کی لڑائیوں پر بڑی حرف گیری کی ہے۔ اور انہیں رفاہِ عامہ کے عمومی مقاصد کے منافی قرار دیا ہے۔ یہ حرف گیری محض اس لئے ممکن ہوئی کہ اس کے وارث قطعاً نااہل تھے۔ اگر وہ اہل ثابت ہوتے تو اورنگ زیب نے دکن میں مرہٹوں کو ختم کر کے جو سیاسی اور مجلسی سہولیتیں ان کے لیے بہم پہنچائی تھیں۔ وہ غیر فانی عوامی فوائد کا موجب ہوتیں۔

حقیقت دیکھی جائے تو دکن میں اورنگ زیب نے جس حکمت عملی پر عمل کیا۔ وہ دور رس نتائج کی حامل تھی۔ اورنگ زیب چاہتا تھا دکن کے ظالم و جبار اور لیڈرے مرہٹوں اور ان کو پناہ دینے والوں کی قوت و طاقت ختم کر کے اس سمت کے عوام کو اس نظامِ حیات سے متعارف کرائے جو اس کے نزدیک دنیا کا بہترین نظام حیات تھا۔

بعض ہندو اور انگریز مورخین نے اس پر تعصب کا طعن کیا اور مرہٹوں کے امتیصال کو مذہبی دیوانگی یا جنون سے تعبیر کیا ہے۔ دراصل یہ نہ مذہبی جنون تھا نہ تعصب۔ یہ دکن کے عوام کی اصلاح کی ایک تدبیر اس بوڑھے مسلمان تاجدار نے کی۔ ورنہ تاریخِ خوب جانتی ہے کہ سیوا جی، اس کے ورثاء اور اس کے ہم پیشہ مرہٹے سردار

لوٹ مار کو بہت شریفانہ کاروبار سمجھتے تھے۔ اور نہ صرف ہمسائے ان کی وجہ سے بہت تنگ تھے۔ ان کی رعایا بھی ان سے بہت نالاں تھی۔ اورنگ زیب نے ان کی قوت و طاقت پر بھرپور وار کر کے انہیں ان کے پنجنہ ظلم سے نکالنا چاہا تھا۔

اس طرح اورنگ زیب کی یہ لمبی لڑائی مذہبی لڑائی نہ تھی۔ ایک مجلسی اور اصلاحی جدوجہد تھی۔ اور اس جدوجہد کا تماشا جن لوگوں نے کیا ہے۔ وہ ہی جانتے ہیں، کہ اس بوڑھے نے اس جدوجہد میں کیسی کیتی تکلیفیں اٹھائیں۔ وہ کن پہاڑوں پر چڑھا، کن گھاٹیوں میں سے گزرا۔ اور کیسے کیسے نازک مراحل اسے پیش آئے۔

وہ تاریخ کا سب سے زیادہ صابر۔ سب سے زیادہ محنتی اور سب سے بڑا سپہ سالار ہے۔ وہ نوے برس کی عمر میں بارہ بارہ گھنٹے متواتر گھوڑے کی پیٹھ پر سوار رہتا۔ بلاشبہ اس غیر معمولی محنت و مشقت نے اس بوڑھے کے قومی بڑی طرح مضحک کر دیئے تھے اور جب وہ ۱۱۱۵ھ میں احمد نگر میں ٹھہرا تھا۔ تو اس میں اتنی سکت نہ تھی کہ کوئی اور بڑی مہم سر کر سکتا۔

وہ بہت معمولی سا بیمار ہوا۔ اور اسی احمد نگر میں جسے احمد شاہ گجراتی نے آباد کیا تھا کئی دن بیمار رہ کر اس دنیا سے رخصت ہوا۔

مرنے سے چند لمحے پہلے اس مسلمان بادشاہ نے اپنے ورثا کے لیے جو وصیت لکھی تھی۔ اس میں حکم دیا تھا۔ میری تجہیز و تکفین میں کوئی غیر شرعی طریقہ استعمال میں نہ لایا جائے۔ اور میری قبر کچی بنے۔

ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں میں یوں تو علاؤ الدین خلجی، فیروز شاہ تغلق اور شیر شاہ سوری نے عوامی فلاح و بہبود کے بہت کام کئے مگر ان میں کوئی ایسا نہ تھا۔

جس نے پیوند لگا ہوا لباس اس لیے پہنا کہ عوام پر اس کا بوجھ نہ پڑے۔ جس نے ردھی سوکھی جو کی روٹی اس لیے کھائی کہ عوام کو در وقت پیٹ بھر کر کھانا نصیب ہو۔

یہی علاقہ جس سے اس کی نعش گزری تھی اس کی آمد سے پہلے ویران تھا۔ مگر اس نے احمد نگر میں رہ کر اسے جنت کا نمونہ بنا دیا تھا۔ اور عوام کو اس طرح خوشحال کیا تھا کہ شاید ہی پہلے کسی بادشاہ نے کیا ہو :۔

اوزنگ زیب عالمگیر

ایک خدا ترس اور انصاپسند بادشاہ جس کے ساتھ مورخوں نے انصافی کی ہے

شاہجہان عہدِ مغلیہ بلکہ برصغیر پاک و ہند کے مسلم بادشاہوں میں سب سے زیادہ
ذیشان، با عظمت اور جاہ و جلال والا شہنشاہ گزرا ہے۔ اس کا عہدِ عہدِ مغلیہ کا
”زریں زمانہ“ تصور کیا جاتا ہے۔

شاہجہان کی ممتاز محل کے بطن سے ۱۴ اولادیں ہوئیں جن میں سے سات زندہ
رہیں۔ چار لڑکے اور تین لڑکیاں۔ لڑکوں میں محمد داراشکوہ سب سے بڑا تھا۔ اس کے
بعد شجاع اوزنگ زیب اور مراد بالترتیب تھے۔ لڑکیوں میں جہاں آرا سب سے بڑی
اس کے بعد روشن آرا اور گوہر آرا تھیں۔

محمد داراشکوہ شاہجہان کا سب سے بڑا بیٹا ۲۵ مارچ ۱۶۵۷ء کو اجمیر میں پیدا
ہوا۔ دارا نہایت ذہین اور فیاض تھا۔ وہ انتہائی علم دوست اور علم پرور تھا۔ جہاں
یک اس کی علمی قابلیت کا تعلق ہے اس کا شمار اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ طبقہ اور محققین
میں ہو سکتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے ماحول فطری رجحانات اور انفرادی صلاحیتوں
کے مجموعی اثر سے اس کے نظریات قدرے مختلف ہو گئے اور وہ اپنی تصانیف میں
صحیح اسلامی زاویہ نظر سے کچھ ٹہا ہوا نظر آتا ہے۔ اور یہ بات مسلم علماء کو مشتعل کرنے اور

اور عام لوگوں کو اس سے بظن کرنے کے لیے کافی تھی۔ مذہبی خیالات کے لحاظ سے دارا اس جماعت کا صحیح نمونہ تھا جو ہندوؤں کو اپنانے کے لیے اسلامی توحید اور دیدانتک فلسفہ کو ایک سمجھتی تھی۔

شاہجہاں کو دارا بے حد عزیز تھا۔ اس وجہ سے شاہ جہاں اسے اپنے پاس سے کبھی جدا نہ کرتا تھا۔ سو اٹھ قندھار کی مہم کے کسی اور معرکہ میں دارا شریک نہیں ہوا تھا۔ شاہجہاں نے اسے وہ اعزاز بخشے تھے جو اس سے قبل کسی شاہزادے کو حاصل نہیں ہوئے تھے۔ اس کو دربار میں بادشاہ کے برابر طلائی کرسی پر بیٹھنے کی اجازت تھی۔ اس کا منصب ساٹھ ہزاری تھا۔ اس کے بیٹوں کے منصب شاہجہاں کے دوسرے فرزندوں کے برابر تھے اور آخر میں جب شاہجہاں علیل ہوا تو اس نے دارا کو اپنا ولی عہد بنا دیا اور نظم و نسق کے جملہ اختیارات اسے سونپ دیئے۔

شاہجہاں کا دوسرا فرزند محمد شجاع ۲۳ جون ۱۶۱۶ء کو اجمیر میں پیدا ہوا۔ پہلے وہ دکن کا گورنر مقرر ہوا۔ اس کے بعد بنگال بھیج دیا گیا۔ جہاں ۲۰ سال تک وہ صوبہ دار رہا۔ اڑیسہ کا صوبہ بھی اس کی نگرانی میں دے دیا گیا تھا۔ شجاع بنگال اور اڑیسہ کی صوبہ داری سے بہت مطمئن اور خوش تھا۔ وہ نہ مراد کی طرح بہادر اور نڈر سپاہی تھا۔ اور نہ دارا اور اوزنگ زیب کی طرح فلسفی و عالم بلکہ شاہجہاں کے الفاظ میں ”شجاع جز سیر شبی صفی ندارد“ کا صحیح مصداق معلوم ہوتا ہے۔

شاہجہاں کا تیسرا فرزند محمد اوزنگ زیب تھا۔ جو ۱۴ اکتوبر ۱۶۱۸ء کو دہلی کے مقام پر پیدا ہوا۔ جن اساتذہ نے اسے تعلیم دی۔ ان میں سید اسعد اللہ خاں، ملا صالح۔ محمد ہاشم گیلانی۔ مولوی عبداللطیف سلطان پوری۔ ملا محی الدین اور شیخ احمد عرف ملا جیون

بہت ممتاز ہیں۔ اورنگ زیب کی زندگی اور اس کی سیرت پر محمد ہاشم گیلانی کی شخصیت کا بہت گہرا اثر پڑا۔ اورنگ زیب کی طبیعت میں جس قدر نیکی اور مذہب سے رغبت تھی وہ سب آپ ہی کا فیض تھا۔ اس نے بچپن ہی میں تفسیر حدیث اور فقہ پڑھ لی تھی۔ اور امام غزالی کی اکثر تصانیف کا مطالعہ بھی کر لیا تھا۔ اورنگ زیب فنون سپہ گری میں بھی ماہر تھا۔ چودہ سال کی عمر میں اس نے مست ہاتھی سے مقابلہ کر کے دوست و دشمن سے یکساں طور پر داد و تحسین حاصل کی تھی۔ تخت نشینی کی جگہ تک کوئی ایسا معرکہ نہ تھا جس میں اورنگ زیب نے حصہ نہ لیا ہو۔ خواہ وہ سرکشوں کی بغاوت ہو یا بلخ بدخشاں کے معرکے ہوں۔ قندھار کے محاصل ہوں یا دکن کی جنگیں۔ ہرمیدان میں اورنگ زیب کسی نہ کسی حیثیت سے ضرور شریک تھا۔ بلخ بدخشاں کے معرکے میں اس کی بہادری جو انفرادی ثابت قدمی اور استقلال کو دیکھ کر دوست دشمن دونوں کی زبان سے آفریں نکلا۔ اور عبدالعزیز نے تسلیم کر لیا کہ ایسے حواں مرد مجاہد سے جنگ کرنا تقدیر سے جنگ کرنا ہے۔ ان معرکوں نے اسے ایک باعزم سپاہی، اولوالعزم جنرل اور صحیح معنوں میں مجاہد ثابت کر دیا۔

بہر حال چاروں شانہراؤں میں اورنگ زیب کو ہر اعتبار سے اولیت اور فوقیت حاصل تھی۔ اور وہ ان لوگوں میں ہر طرح بلند تھا۔ شاہجہاں کا سب سے چھوٹا فرزند مراد بخش تھا جو ۲۹ اگست ۱۶۲۴ء کو دہلی میں پیدا ہوا۔ یہ سب سے زیادہ نڈر اور بہادر تھا۔ لیکن ساتھ ہی سب سے زیادہ فدا و غنما دار اور خود رائے تھا۔ وہ انتہائی غیر مستقل مزاج تند خو اور جلد باز تھا۔ مراد انتہائی سادہ لوح اور ناسمجھ تھا۔ وہ دوستوں اور دشمنوں میں تفریق نہ کر سکتا تھا۔ علی نقی دیوان کا قتل اس کی ایک

اہم مثال ہے۔ مراد نے اس طرح نہ صرف اپنے مخلص دوست اور پیچھے دوست کو قتل کر دیا بلکہ اس خون ناحق کے باعث اس کو بھی قتل ہونا پڑا۔

چاروں شہزادے اور ان کے باہمی تعلقات
(اگرچہ مضمون کا عنوان "اوزنگ زیب اور مراد کے باہمی تعلقات" ہے لیکن جب تک دارا اور اس کے دوسرے تین بھائیوں سے اس کے تعلقات کا تذکرہ نہ کیا جائے مضمون واضح نہیں ہو سکتا)

دارا شاہجہاں کا عزیز ترین سرزند تھا۔ اپنی اس پوزیشن سے اس نے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ اس کا رویہ اپنے بھائیوں کے ساتھ بہت خراب تھا۔ اس لئے شہزادوں میں دو گروہ بن گئے۔ ایک جس میں دارا تنہا تھا۔ لیکن اس کی پشت پر شاہ جہاں اور سلطنت منعلیہ کے تمام وسائل تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے بھائیوں کو ملانے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ انہیں راہ کا کاٹنا سمجھ کر راستہ سے ہٹانے کی کوشش کی۔ عاقل خان لکھتا ہے:

”اں جناب کے (دارا) غرور و کبر کی بنا پر جو انسان کے بدترین افعال ہیں۔

اپنے آپ کو نبائے وراثت و استحقاق حضرت صاحب قرآن ثانی کی سلطنت اور وسیع حکومت ہند کا والی خیال بلکہ یقین کر کے بھائیوں کے شجر وجود کی یخ کنی کی جو ملک اور سلطنت کے حصہ دار وراثت تھے۔ اپنی ہمت کو منحصر کر دیا اور ظاہر و پوشیدہ اس مخصوص کام کی آگ بھڑکانے لگے۔ اس کا خاص دشمن اوزنگ زیب تھا۔ جو اپنی فطری صلاحیتوں اور دنیاوی تجربوں کی وجہ سے اس کا مد مقابل بن گیا تھا۔ وہ صرف ملکی سیاست میں

ہی اس کا حریف نہ تھا۔ بلکہ مذہبی خیالات میں بھی دونوں میں نمایاں فرق تھا۔ دارا صوفی ہمہ اوست کا قائل اور الحاد کے قریب تھا۔ اورنگ زیب سچا مسلمان شرع کا پابند اور عالم باعمل تھا۔

دارا کے یہی مذہبی خیالات تھے۔ جس نے اس کے بھائیوں کے ہاتھوں کو اور مضبوط کر دیا تھا اور عام مسلمانوں کی ہمدردی اس سے چھین لی تھی۔ جہاں اورنگ زیب کے ساتھ براہ راست دارا کا یہی سلوک تھا۔ وہاں یہ بھی کوشش تھی کہ دوسرے بھائی اورنگ زیب سے نہ مل جائیں۔ لیکن یہ قدرتی امر تھا۔ کہ تینوں کا دشمن ایک ہی تھا۔ تو وہ کیسے ایک ساتھ نہ ہوتے۔ یہی ایک جذبہ حفاظتی تھا۔ جس نے ان تینوں بھائیوں کو باہم متحد ہونے پر مجبور کیا۔ عاقل نہاں لکھتا ہے :-

”اسحضرت (عالمگیر) دیگر شہزادگان عالی تبار اس حقیقت کو بھانپ گئے اور اپنی عزت اور جان کی حفاظت کی فکر اور انجام کی دوستی کے خیال میں منہمک ہو گئے اور اس طاقتور دشمن کی ایذا رسانی سے جو زیادتی شوکت و طاقت اور یار و مددگار کی شرکت سے محض تھی۔ بے خوف نہ رہے۔ اس لیے تینوں بھائیوں میں (پہلے اورنگ زیب اور شجاع کے درمیان اور بعد میں مراد بھی اس معاہدہ میں شریک ہو گیا) ایک اتحاد ثلاثہ ہونا کہ دارا کے اقتدار کا خاتمہ کیا جائے۔ ورنہ بڑا بھائی بھڑیے کی طرح خون کا پیاسا رہے۔ اور باوجود اس کے کہ حضرت صاحب قرآن ثانی کا وسیع سایہ دنیا والوں کے سر پر پھیلا ہوا رہے۔ لیکن ہم ان کے مکر اور ایذا رسانی سے بے خوف نہیں ہیں۔“

ستمبر ۱۶۵۷ء میں شاہجہاں اچانک بیمار ہو گیا۔ اس کی حالت اس درجہ خراب ہو گئی کہ اکثر لوگوں کو اس کی موت کا یقین ہو گیا۔ ایک طرف شاہجہاں نے دارا کو اپنا ولی عہد بنا کر تمام نظم و نسق اس کے حوالے کر دیا تھا اور دارا نے دار السلطنت کی تمام خبروں کو باہر جانے سے روک دیا تھا۔ مراد نے صرف شبہ کی بنا پر دیوان علی نقی کو قتل کر دیا۔ (اکتوبر ۱۶۵۷ء) سورت کی بندرگاہ کو لوٹا — اور آخر میں دسمبر ۱۶۵۷ء میں احمد آباد میں اپنی بادشاہت کا اعلان کیا ”مروج الدین“ کا لقب اختیار کیا۔ اور اپنے نام کا سکہ چلایا۔ اور خطبہ پڑھا — اپنی اس مطلق العنانی کے باوجود اس کو اپنے اوپر مکمل بھروسہ نہ تھا۔ اس نے اوزنگ زیب کے پاس محمد رضا کو بھیجا۔ اور سابقہ معاہدہ اتفاق اور اتحاد کا حوالہ دیتے ہوئے آئندہ کارروائی کے متعلق دریافت کیا۔ چونکہ اوزنگ زیب نے اب تک اس سلسلے میں کوئی قدم نہیں اٹھایا تھا۔ اس وجہ سے اس نے مراد کو بھی مشورہ دیا۔ کہ جلد بازی سے کام نہ لے۔ اس طرح خود مراد خاں نے اوزنگ زیب کو مجبور کیا کہ وہ جلد از جلد اپنی پالیسی کا اعلان و اظہار کرے۔ ورنہ وہ سابقہ اتحاد کو پس پشت ڈال کر تنہا ہی دارا کے مقابلہ کے لیے جائے گا۔

شاہجہاں کی علالت اور برہان پور سے روانگی کے قبل تک جو خط و کتابت اوزنگ زیب اور مراد کے درمیان ہوئی اس سے جو نتائج اخذ ہوتے ہیں۔ وہ یہ ہیں:

(۱) اوزنگ زیب نے مراد کو دارا کے مقابلہ کے لئے نہیں اکسایا تھا۔

(۲) مال غنیمت کی تقسیم کے سلسلے میں کوئی گفتگو دونوں کے درمیان نہیں ہوئی تھی اور خانی خاں کا یہ بیان کہ اوزنگ زیب نے مراد کو لکھا:

”مجھ کو کسی وجہ سے بھی کاروبار دنیا سے غداروں و ناپائیداروں کے ساتھ وابستگی نہیں ہے اور سوائے بیت اللہ کی زیارت اور طواف کے میرا کوئی ارادہ نہیں ہے؟ غلط ہے۔
اصل معاہدہ جو اورنگ زیب اور مراد کے درمیان ہوا۔ وہ یہ ہے جس سے خانی خاں کے بیان کی تردید ہو جاتی ہے۔

معاہدہ کہ بہ التماس بادشاہ مراد محمد مراد بخش قلمی شد
”آداب۔ برادر جان برابر۔ اس مہم میں جس کا انجام محمود سے موافقت اور تعاون اور بھائی چارگی جو عہد و پیمان کے ذریعہ مستحکم کئے گئے تھے از سر نو ایمان و یقین سے مضبوط کر گئے۔ اپنے دل میں طے کر لیا کہ اس دشمن دین و دولت کے استیصال اور امور سلطنت کے انتظام و انصرام کے بعد دوستی اور اتفاق کے مضبوط راستے کو اختیار کر کے ہر جگہ اور ہر کام میں میرے رفیق اور میرے شریک رہیں گے۔ اور ہمارے دشمن کو دشمن اور ہمارے دوست کو دوست سمجھتے ہوئے کسی حال میں بھی ہماری خوشنودی اور مرضی سے باہر نہ ہوں گے۔ تمام ملک محروسہ میں سے جو کچھ آپ کو دیا جائے گا قانع اور خوش ہو کر زیادہ طلب نہ کریں گے۔ اس لیے لکھا جاتا ہے کہ انشاء اللہ جب تک اخلاص، یک رنگی اور حق شناسی کے خلاف کوئی بات ظہور میں نہ آئے گی۔ ہماری شفقتیں اور مہربانیاں ہر روز زیادہ ہوتی جائیں گی۔ فریقین کے نفع و ضرر کو ایک سمجھ کر ہر وقت اتحاد کو بہترین صورت

میں جاری رکھیں گے۔ اور وہ عنایات جو برابر پر آج مبسود ہیں۔ مقصد حاصل ہو جانے کے بعد، ملحد کی شکست ہو جانے کے بعد اور زیادہ ہو جائیں گی۔ دفائے وعدہ کے طور پر جیسا کہ پہلے طے ہو چکا ہے صوبہ لاہور، کابل، کشمیر، ملتان، بھکتر اور ان تمام اضلاع کو جو خلیج عمان کے کنارے تک ہیں، آپ کے حق میں واکناشت کر کے اس بارے میں کوئی مضائقہ نہیں کریں گے۔ ملحد، بدکردار کی شکست اور شر و فساد کے خاتمہ کے بعد جس میں آپ کی شرکت ناگزیر ہے بلا توقف آپ کو اس حدود میں روانہ کر دیا جائے گا۔ میں اس وعدہ کی سچائی میں خدا اور رسول کو گواہ بتاتا ہوں اور اس تحریر کو اپنی مہر اور پنچہ کے نقش سے مرتب کرتا ہوں۔ آپ بھی آیت کریمہ..... عہد کو پورا کریں کہ اس کی جواب دہی ہوگی۔ کو پیش نظر رکھتے ہوئے معاہدہ کے لوازمات کی پاسداری کریں گے۔ اور کوتاہ اندیشیوں، شورش پسندوں اور باطل طریقہ سے فساد برپا کرنے والوں کی باتوں کو رضامندی کے کانوں سے نہیں سنیں گے۔ اللہ ہم کو اور آپ کو اپنی مرضی اور صحیح راستہ پر چلنے کی توفیق دے۔

جو معاہدہ اوزنگ زیب اور مراد کے درمیان ہوا اس میں پہلے دونوں فریقین کے واسطے چند لازم عمل ہیں۔ اس کے بعد عنائت کی تقسیم ہے۔ آخر میں اوزنگ زیب نے مراد کو متنبہ کر دیا تھا کہ وہ شر پسندوں کے بہکانے میں نہیں آئے گا۔

ایک اور بات جو معاہدہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ معاہدہ پیش کرنے والے کی حیثیت فریق اعلیٰ کی ہے۔

تیسری بات جو معاہدے سے ظاہر ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ فریقِ اعلیٰ معاہدہ کا اس وقت تک پابند رہے گا۔ جب تک دوسرا فریق معاہدہ کی مکمل پابندیاں اور فریقِ اعلیٰ سے اپنی وفاداری کتنا رہے گا۔ اس کے بعد دھرمات اور سامر گڑھ کے معرکے ہوئے۔ جن میں اوزنگ زیب اور مراد کی متحدہ فوجوں کو کامیابی ہوئی۔ سامر گڑھ کی جگہ کے بعد دارا مہلی روانہ ہو گیا۔ دارا کی شکست کا شاہجہاں کو بے حد صدمہ تھا۔ وہ اوزنگ زیب کے اقتدار کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے پہلے اوزنگ زیب کے فرزند محمد سلطان کو ملانے کی کوشش کی۔ اس کے بعد اوزنگ زیب کو قلعہ میں بلا کر قتل کرنے کی کوشش کی۔ جب ان تمام کوششوں میں ناکام ہوا تو مراد کو ملانے کی کوشش کی۔ مراد کو خط لکھا کہ تم اوزنگ زیب اور اس کے لڑکے کو بہانہ سے بلا کر قید کرو۔ میں ہندوستان کی تمام سلطنت کا تم کو حاکم بنا دوں گا۔ لیکن اس کام میں نہایت ہوشیاری سے کام لینا۔ جہاں مراد کو یہ لالچ دیا۔ وہیں دارا کو جواب تک دہلی میں تھا۔ تحریر کیا کہ تم دہلی میں ٹھہرو۔ جہاں خزانہ اور فوج کی کمی نہیں ہے۔ میں ہم کو یہیں فیصل کئے دیتا ہوں۔ اتفاق سے دونوں خطوط مراد کے نام کا اور دارا کے نام کا اوزنگ زیب کو مل گئے۔ وہ شاہجہاں کی چالاکی اور سازش کو سمجھ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ مراد اپنی سادہ لوحی کیوجہ سے شاہجہاں کے دام میں آسانی سے پھنس جائے گا۔ اس کا یہ شبہ غلط نہیں تھا۔ مراد نے اپنے رویہ سے اس کے شبہ کو یقین میں تبدیل کر دیا۔ اس نے اپنی فوجوں میں اضافہ کرنا شروع کر دیا اور اوزنگ زیب کے سپہ سالاروں کو لالچ دے کر ملا لیا۔ اور سب سے بڑھ کر اوزنگ زیب کی درخواست پر دارا کے مقابلہ کے لیے دہلی روانہ نہیں ہوا بلکہ اس کے بعد اوزنگ زیب کے تعاقب میں روانہ ہوا۔

اوزنگ زیب سمجھ گیا کہ یہ شاہجہاں سے اشتراک عمل کا نتیجہ ہے۔ لہذا اس نے مراد کو گرفتار کر لیا۔

اوزنگ زیب کے اس عمل گرفتاری کو سمجھنے کے لیے جنگ تخت نشینی کی نوعیت سمجھنا شد ضروری ہے یہ جنگ صرف تخت اور تاج کی جنگ نہ تھی بلکہ حقیقت میں ذاتی حفاظت اور بقائے اصلاح کی جنگ تھی۔ جو شہزادہ کامیاب ہو جاتا تھا، اسے تخت اور تاج کے ساتھ زندہ رہنے کا بھی حق ہوتا۔ باقی شہزادے اگر قتل نہ بھی کئے جاتے تو قید خانوں میں ضرور بھیج دیئے جاتے۔ خاندانِ مغلیہ میں بھی اس سے قبل بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ ہمایوں نے جب تک کامران کو اندھا کر کے مکہ نہ بھیجا۔ چین سے حکومت نہ کر سکا۔ اکبر نے اسی کامران کے لڑکے کو "ازبکون" کی بغاوت کے دوران قتل کروا دیا۔ تاکہ کوئی دعوے دار موجود نہ رہے۔ جہانگیر نے اپنے لڑکے خسرو کو بغاوت کے الزام میں اندھا کر دیا۔ شاہجہاں نے شہریار اور داور بخشی اور ہر ممکن دعویدار کو راستہ سے ہٹا دیا۔ ان مثالوں کو دیکھتے ہوئے اوزنگ زیب نے بھی حفاظتِ خود اختیاری کے طور پر مراد کو گرفتار کر لیا۔ اس سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ اوزنگ زیب نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی۔ بلکہ خود مراد سے پہلے ہی معاہدہ میں صاف یہ درج تھا کہ مراد اوزنگ زیب کے دوست کو دوست اور دشمن کو دشمن سمجھے گا۔ جب مراد نے خلاف ورزی کی تو معاہدہ ساقط ہو گیا۔ اور اوزنگ زیب حفاظتی اقدام اٹھانے کا مجاز تھا۔

اس کے بعد اوزنگ زیب نے قید میں مراد کو ہر ممکن آرام و آسائش پہنچانے کی کوشش کی۔

جب اورنگ زیب کے عہد کا آغاز ہوا تو عام طور پر یہ بات عیاں ہو گئی تھی کہ وہ خدا ترس اور انصاف پسند بادشاہ ہے اور اس کے عہد میں مظلوموں کے ساتھ انصاف ہوگا۔ علی نقی جس کو مراد نے طیش میں آکر صرف شبہ کی بنا پر قتل کر دیا تھا۔ اس کے چھوٹے فرزند نے قصاص کا مقدمہ درج کر دیا۔ اور اورنگ زیب نے قاضی کو گوالیار مراد کے پاس بھیج دیا تاکہ وہ اپنی صفائی پیش کر سکے۔ لیکن مراد نے اقبال جرم کر لیا اور قاضی نے مراد کو قصاص میں قتل کئے جانے کا فیصلہ دیا۔ یہ بالکل سیدھی سادی بات تھی۔ لیکن اکثر مؤرخین نے حاشیہ آرائی کر کے مراد کے قتل کو ایک سیاسی چال ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ مقدمہ اورنگ زیب کے اشارہ سے ہوا تھا۔ اور اس بہانہ سے اورنگ زیب نے مراد کو قتل کر دیا تھا۔

اس سلسلہ میں وہ خانی خان کا بیان پیش کرتے ہیں۔ جس نے تحریر کیا تھا کہ ”شہنشاہ (عالمگیر) کے کسی مقرب کے اکسانے پر علی نقی کے بیٹے نے مراد کے خلاف اپنے باپ کے قتل کا مقدمہ دائر کیا۔ علی نقی کو خود مراد نے قتل کیا تھا“

لیکن یہ الزام بالکل بے بنیاد ہے۔ اورنگ زیب اگر مراد کو قتل کروانا ہی چاہتا۔ تو جس طرح اس نے دارا کے احکام قتل پر صاف الفاظ میں لکھ دیا تھا کہ اس کی زندگی رموزیاست کی بنا پر خلاف قانون ہے۔ مراد کے معاملہ میں بھی ایسا ہی کرتا۔ خانی بڑی معصومیت سے یہ بھی تحریر کرتا ہے کہ ”اورنگ زیب علی نقی کے بڑے بڑے سے جس نے قصاص کا دعویٰ

نہیں کیا تھا۔ بہت خوش تھا۔ اور چھوٹے لڑکے سے جس نے دعوے
کیا تھا بہت عرصہ تک گفتگو نہیں کی۔

بہر حال اس سے صاف ظاہر ہو گیا ہے کہ مراد کی گرفتاری سیاسی وجوہ کی بنا پر تھی۔
لیکن اس کا قتل نہ مذہبی تھا نہ سیاسی۔ بلکہ انصاف کا تقاضا تھا جسے پورا کیا گیا۔

اورنگ زیب اور سرمد

اورنگ زیب پر ایک الزام یہ بھی ہے کہ اس نے سرمد کو قتل کر دیا۔ اور اس سلسلے میں مشہور نقاد علامہ نیاز فتحپوری نے اورنگ زیب پر سخت تنقید کی ہے اور لکھا ہے کہ آج نہ اورنگ زیب دنیا میں موجود ہے نہ سرمد۔ ان کے مقابر بلیک موجود ہیں۔ مگر قدرت کے اس فیصلہ کو دیکھئے۔ اورنگ زیب کی قبر پر فاتح پڑھنے والے خال خال آجاتے ہیں اور سرمد کی قبر پر روزانہ پھولوں کی بارش ہوتی ہے۔ یعنی اورنگ زیب کے مزار کا کوئی پرسان حال ہی نہیں ہے۔ کسمپرسی کے عالم میں پڑا ہے۔ ایک نقاد بشیر نشان صاحب روزنامہ حریت کراچی کی ۲۱ مئی ۱۹۶۵ء کی اشاعت میں اورنگ زیب اور سرمد کے معاملے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

ہم مسلمان اپنی تاریخ کو بڑی سرعت سے بھول رہے ہیں۔ بہت سے واقعات جن پر ہم فخر کر سکتے ہیں یا تو معلوم نہیں ہیں یا غلط معلوم ہیں۔ کچھ عرصہ قبل پاکستان میں دھوم مچی تھی کہ اورنگ زیب کے مقبرہ کی مرمت کے لیے بھارتی حکومت نے ایک رقم مبلغ ایک سو نیا لیس روپیہ کی مقرر کی ہے۔ پاکستان کے عوام کو چندہ جمع کر کے بھیج دینا چاہیئے۔ کچھ نے کہا حکومت پاکستان کو مرمت کے لیے اپنے روپیہ کا بندوبست کرنا چاہیئے۔ غل شور بہت مچا تو اخبارات کے ذریعہ عوام کے علم میں آیا کہ اس

فقیر منس بادشاہ کے مزار پر کوئی مقبرہ نہیں ہے۔ کچا مزار ہے۔ اورنگ زیب قرآن شریف لکھ کر خاموشی سے ہدیہ حاصل کرتے تھے۔ ٹوپیاں بنا کر بھی فروخت کرتے تھے۔ کسی کو خبر نہ ہوتی تھی کہ اورنگ زیب کا نوشتہ قرآن ہے یا بنائی ہوئی ٹوپی ہے۔ قرآن کے ہدیہ کی بچی ہوئی رقم بوقت انتقال سترہ روپیہ کچھ پیسہ اور ٹوپیوں کی قیمت کی غالباً اس سے بھی کم رقم چھوڑی تھی۔ اورنگ زیب نے اس رقم سے تجہیز و تکفین اور فاتحہ وغیرہ کی وصیت کی تھی۔ اور وصیت کی تھی کہ یہ رقم اگر کافی نہ ہو تو ان کے بڑے شہزادے کے پاس بھی ذاتی رقم ہے۔ ان سے حاصل کر لی جائے۔ یہ بھی وصیت کی تھی کہ قبر کھدائی جائے اس پر سبزہ کا پودا لگایا جائے۔ اور قبر پر کوئی مقبرہ نہ نہ بنایا جائے۔ بائیسویں خواجہ سید زین الدین شیرازی کے پائیس مبارک اس طرح دفن کی ہدایت تھی کہ جب مزار خواجہ کے مزار مبارک کو غسل دیا جائے تو پانی اورنگ زیب کے مزار پر سے بہتا ہوا جائے۔ اس وصیت کی تعمیل کی گئی۔

آج تک نہ مقبرہ ہے نہ قبر بخچہ۔ خام قبر پر سبزے کا پودا لگا ہوا ہے۔ آخری حضور نظام نے مزار کے اطراف سنگ مرمر کی خوب صورت جالی اپنے دور حکومت میں لگوا دی ہے اور فرش بھی سنگ مرمر کا لگوا دیا ہے۔ قبر کا تعویذ بھی سنگ مرمر کا کھوکھلا ہے۔ اور درمیان سے کھلا ہوا ہے۔ جو مٹی کی قبر پر رکھ دیا گیا ہے۔ مزار کے روبرو ایک چھوٹی سی مسجد اور ایک تلاوت گاہ ہے۔ قرآن کے پارے مہیا ہیں جو زائریں پڑھ کر بخشے ہیں۔ اورنگ زیب کے مزار کی خدمت کے لیے بارہ گاؤں وقف اور سرکار کی تحویل میں ہیں۔ درس قرآن کے لیے متصل ہی مدرسہ ہے۔ جہاں قرآن خوانی کی آواز کان میں پڑتی رہتی ہے۔ اورنگ زیب کے مزار پر بلا کا نور بستہ ہے۔

اور عجب جلال و عظمت عیاں ہے۔ میں نے تو کسی شاہ کا مزار ایسا پرسکون بادقار اور بارونق نہیں دیکھا جیسا اس غربت پسند بادشاہ کا ہے۔ غریب نما قبر دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ ہر طرف چہل پہل، قرآن کے گنگنانے کی آواز، بائیسویں خواجہ کا سایہ۔ عجیب پر کیفیت فضا چھائی ہوئی رہتی ہے۔ اوزنگ زیب خلد آباد میں مدفون ہیں۔ درحقیقت یہ دنیا میں ایک خلد ہے۔ یہیں دہلی سے سات سو ادلیاء اللہ کی پالکیاں آکر ٹھہری تھیں۔ اور یہیں سکونت اختیار کی تھی۔ خلد آباد ریلوے لائن سے ہٹ کر اوزنگ آباد سے ۴۴ میل دور ایک پہاڑی

پر واقع ہے۔ اب تو ایک اچھا پختہ سڑک کا گھاٹ بن گیا ہے۔ ابتدائی زمانہ تک یہ گھاٹ بڑا دشوار گزار تھا۔ بیل گاڑیاں مشکل سے چڑھتی اترتی تھیں۔ اترتے وقت لڑھک جانے کے خوف سے جہاں زیادہ ڈھال ہوتا چاکوں میں ایک ڈانڈا باندھ دیا جاتا تھا۔ اس وقت بھی اوزنگ زیب کے مزار پر حاضری کے لیے سب جانے تھے، اور اب بھی جاتے ہیں۔ یہ کوئی خوبصورت عمارت نہیں ہے جس کو دیکھنے جانے ہوں۔ بلکہ اوزنگ زیب کے مزار پر خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے حاضری دیکھائی ہے۔

سرمد کا مزار تو جامع مسجد دہلی کے بڑے دروازہ کے سامنے واقع ہے۔ جو دہلی والوں کی تفریح گاہ ہے۔ قوالی کے متوالے۔ کباب، کھیر کے شائقین سب ہی پہنچتے ہیں۔ پہلو میں اوروں کی دکانیں ہیں۔ پھول چڑھانے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ اگر یہ مزار اوزنگ کے مزار کی طرح ہٹ کر کہیں اور واقع ہوتا تب دیکھا جاتا کہ کتنے لوگ عقیدت کے لحاظ سے جاتے ہیں۔ تاج محل اور بہایوں کے مقبرے

سیاح دیکھنے جاتے ہیں۔ مدفنوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا محبت کی کہانی سنائی اور نشانی بتائی جاتی ہے۔ بہت کم فاتحہ پڑھتے ہیں۔ اورنگ زیب کے سادہ مزار پر تو عجب کشش ہے۔ سر جھکا جاتا ہے۔ اکثر و اکثر اسے ہندو مزار پر آئے اور ٹوپی اتار کر مودب کھڑے رہے ہیں۔ پٹت جواہر لال نہرو بھی گئے تھے اور مزار پر ہاتھ جوڑے کھڑے رہے، خود ان کی حکومت تھی۔ ریاست تو ختم ہو چکی تھی۔ یہ تو نہ تھا کہ ریاست کے پروگرام پر عمل کی تکمیل ہو۔ ہندو سرکار کا ہی بنایا ہوا پروگرام تھا۔ اکا دکا فاتحہ خوانوں کا سوال کیا ہے۔ خدام کی کوئی کمی نہیں ہے۔ یہ سادہ صاف ستھرے لباس میں کھڑے رہتے ہیں۔ اور ادب کی جانب توجہ دلانے کے لیے کچھ ایسے الفاظ کہتے ہیں (صحیح الفاظ تو یاد نہیں) ”بادوب باتمیز ہوشیار۔ شہنشاہ عالمگیر آرام فرما ہیں“ انگریز اس آواز کے ساتھ ٹوپی اتار کر بادوب کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اورنگ زیب کی اپنی آخری ابدی آرام گاہ کے متعلق وصیت خود بتا رہی ہے کہ ان کو بزرگان دین سے کس قدر عقیدت تھی۔ اورنگ زیب کے وقف کی آمدنی سے ایک لنگر جاریہ کا انتظام تھا۔ جو مہاراجہ چند لال وزیر اعظم حیدر آباد کے زمانہ سے سرکاری انتظام کے تحت اب تک جاری ہے۔ ایک بڑی آبادی کی بسرا سلی سنگر پر ہے۔ ہر ایک کو ایک چمچ کھانا ملتا ہے جو ایک چھوٹے ٹکونہ کے برابر ہوتا ہے۔ ہر مقیم مہمان کا یہی ایک چمچ کھانا فی وقت مقرر ہو جاتا ہے۔

خلد آباد میں اولیاء اللہ کے پشیمار مزار ہیں۔ سب ہی کے مجاوروں کو فیض پہنچ رہا ہے۔ اور اورنگ زیب کے صدقہ میں مسلمان بستی آسودہ ہے۔

میں سرحد شہید کا مخالف نہیں ہوں۔ ان کی اور اورنگ زیب کی بڑی عزت کرتا ہوں۔

دونوں اپنے اپنے راستوں پر گامزن تھے۔ اورنگ زیب ان چند زبردست مسلمان بادشاہوں میں تھے جو اندرونی قوت رکھتے تھے۔ اورنگ زیب کا چلن ایسا رگڑا ہوا ہے کہ ان سے مذہب کی آڑ لے کر سیاسی مقاصد کے لیے قتل کرانے کا یقین نہیں کیا جاسکتا۔ سیاسی مقاصد کے تحت سزائے موت دینا مذہبی بنا پر سزائے موت دینے سے اس زمانہ میں زیادہ آسان تھا، اور کم باعث اشتعال ہوتا۔ پھر غور طلب بات یہ ہے کہ مخالفانہ تحریک کی قوت ہی کیا ہو سکتی تھی، اگر روحانی مخالفت کا ڈر تھا تو سرمد کو قتل کر دانے سے یہ خطرہ بڑھ جاتا اور وہ سزائے موت سے زیادہ موثر ہو جاتا۔ ایک مجذوب کی بڑ سے ایسی بغاوت اٹھ کر کھڑی نہ ہو سکتی تھی۔ جو اورنگ زیب کا تختہ الٹ سکے۔ بددعا کار گر ہو سکتی تو ہو سکتی تھی، مگر اورنگ زیب میں خود روحانی قوت کم نہ تھی، البتہ یہ خبر معرض بحث میں ہے کہ اورنگ زیب کا یہ عمل کہاں تک صحیح تھا۔ ہر دو جانب سے بہت کچھ کہا جاسکتا ہے۔ بہر حال سرمد کی ذاتی بددعا کے سوائے کوئی اور چیز کارگر نہ ہو سکتی تھی۔ جس کا خطرہ اورنگ زیب کو نہ تھا۔ یہ کہنا تو بالکل غیر صحیح ہے کہ دونوں دنیا سے جا چکے ہیں۔ ایک کے مزار پر پھول برستے ہیں۔ اور ہندو مسلمانوں کی عقیدت کا مرکز ہے۔ اورنگ زیب کا مزار اس طرح پڑا ہے کہ خال ہی خال کوئی فاتحہ کے لیے پہنچ جاتا ہو تو پہنچ جاتا ہو۔ اورنگ زیب سے تو مسلمانوں کو بڑی محبت ہے۔ وہ خلوص دل سے فاتحہ پڑھتے ہیں۔ اور اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ یہ کہنا کہ قاضی صاحب سے سرمد نے برابر تاؤ کیا اس لیے انھوں نے ناراض ہو کر انتقام لینے کے لیے دوسروں کو

ہمنوا بنا کر سرد کی موت کا فتویٰ حاصل کر لیا۔ آجکل جج کو کوئی برا بھلا کہہ دے تو وہ توہین عدالت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ نفس مقدمہ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اتنے بڑے قاضی سے سخت گفتگو سے متاثر ہو کر اس قدر انتقامی کارروائی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ آجکل بھی مجذوب برا بھلا کہہ دیتے ہیں۔ کوئی کچھ نہیں کہتا۔ ایک پایہ کے قاضی کے متعلق یہ خیال قابلِ غور ہے

سرد کی سزائے موت پر تبصرہ کرتے وقت یہ بھی غور کر لینا چاہیے کہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں سرد نے یہ حرکت کی ہوتی تو کیا نیت ہو تا۔ کیا خلفاء کسی کو لا الہ کی آواز بلند کرتے ہوئے مدینہ کی گلیوں میں گھومنے پھرنے کو رو د رکھتے۔ اور کیا آج بھی مدینہ میں یہ ممکن ہے کہ کوئی ننگا لا الہ کہتا ہوا پھر سکے۔ منصور کا حشر بھی سب کے سامنے ہے ممکن ہے باطن کے منازل طے کر رہا ہو۔ مگر فیصلہ تو ظاہرہ عمل سے کیا جائے گا۔ دل کا حال حد جانے۔ اسلامی حکومتیں تو احکام شریعت نافذ کرنے کی ذمہ دار ہیں۔ اور قانون کا اطلاق ہمیشہ ظاہر پر ہوتا ہے۔ باطن پر نہیں۔ باپ بھائیوں کے خلاف سلوک کا بھی مضمون میں ذکر ہے۔ یہ ایک تاریخی چیز ہے۔ اس پر تبصرہ کے لیے بڑی جگہ درکار ہوگی۔

مختصراً اور ننگ زرب نے باپ کو قید نہ کیا ہوتا۔ اور بھائیوں کے ساتھ سختی نہ کی ہوتی تو کیا ہوا ہوتا۔ ہمایوں کی نظیر ہمارے سامنے ہے۔

بھائیوں نے نرمی کا کیا صلہ دیا۔ اور ننگ زرب کی حیثیت تو ہمایوں سے بہت زیادہ نازک تھی۔ کیا ان بھائیوں نے اور ننگ زرب کو زندہ چھوڑا ہوتا؟ اور کیا مسلمان اس خدمت سے محروم نہ ہو گئے ہوتے۔ اور ننگ زرب نے مسلمانوں کو کچھ عرصہ در

حکومت کا موقع دیدیا۔ شاہجہاں نے محسوس کر لیا تھا کہ حکومت اسلامیہ کو الٹنے کے لیے اندر ہی اندر آگ لگ رہی ہے۔ حتیٰ کہ راجپوتوں تک کی وفاداری قابل بھروسہ نہیں رہی تھی۔

داراشکوہ تخت نشین ہو جاتا تو اکبر نے جس غلطی کا آغاز کیا تھا، وہ انتہا کو پہنچ جاتی اور اسلامی حکومتیں بہت پہلے ختم اور مسلمان غیر مسلموں کے غلام ہو کر کبھی کے کمزور ہو گئے ہوتے۔ شاید آبادی بھی اس تعداد میں نہ رہتی۔ ہر طرف سے جب بغاوت کی آندھی اٹھا چاہتی تھی۔ اور رنگ زیب کی ہستی تھی جس سے امید بقاء پیدا ہو گئی تھی۔ اس کے جانشین ٹھیک نکل جاتے تو اس کی خدمات سے فائدہ اٹھا سکتے تھے۔



عالمگیر و سرمد

من سر خود را ز اول زیر پا دانستہ ام
شہر دہلی را بجائے کربلا دانستہ ام

رفت دارا در پے منصور و سرمد نیز رفت

دار بازی را رضائے کبریا دانستہ ام
(سرمد)

من شریعت را ز جاں راہِ خدا دانستہ ام
شہر دہلی را فضائے مُصطفیٰ دانستہ ام

رفت دارا در پے فرعون و سرمد نیز رفت

دار بازی را سرائے اشقیاء دانستہ ام
(عالمگیر)

میں نے ابتداء ہی سے یہ سمجھ لیا تھا کہ میرا سر کٹنے کو بے چین رہے میں سمجھتا ہوں یہ شہر دہلی نہیں میدیاں
کر رہا ہے۔ بادشاہ چلا گیا منصور کو کچھڑنے اور سرمد بھی چلا گیا۔ میں دار بازی تختہ مشق تسم کو نزدیک و تر خدا کی رضا سمجھتا ہوں۔
میں شریعت پر چلنے کو دل و جان سے راہ خدا سمجھتا ہوں۔ شہر دہلی کو اسلامی شہر سمجھتا ہوں، بادشاہ
چلا گیا فرعون کو کچھڑنے اور سرمد بھی چلا گیا۔ دار بازی کو بد بخت لوگوں کی سزا کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔

اور نگہ زیب پر ایک الزام یہ بھی ہے کہ اس نے سکھ مذہب کے پیشوا درم سے نہایت ظالمانہ سلوک کیا ہے۔ روزنامہ مشرق لاہور کی ۲۱ نومبر ۱۹۷۹ء کے شمارے میں سکھ مذہب کا تفصیلی جائزہ پیش کرتے ہوئے میر نور احمد مرحوم لکھتے ہیں :

سکھ مذہب کے بانی اور پہلے گورو بابا نانک صاحب (جن کی پانچویں سالگرہ آج کل پاکستان کے شہر ننکانہ میں بہت اہتمام کے ساتھ منائی جا رہی ہے) ۱۴۶۹ء میں اسی جگہ کے قریب ایک گاؤں میں ایک ہندو کھتری گھرانے میں پیدا ہوئے۔ نوجوانی کے آغاز ہی سے ان کا دل دنیادی کاموں کی نسبت یاد خدا اور عبادت الہی کی جانب زیادہ مائل تھا۔ انہوں نے ہندو دھرم اور اسلام دونوں کا گہرا مطالعہ کیا۔ اس غرض کے لیے انہوں نے ہندوستان کے دھرم استھانوں کی یا ترا بھی کی اور مکہ مدینہ اور عراق کے طویل سفر بھی کئے۔ پھر انہوں نے دریائے راوی کے کنارے ایک بستی کرتار پور کے نام سے بسائی اور وہاں بیٹھ کر لوگوں کو اپنے پسندیدہ مذہبی اصولوں کی تعلیم ”سکھشا“ جس سے لفظ ”سکھ“ بنا، دینا شروع کیا۔

جس مذہبی اصولوں کی انہوں نے تبلیغ کی ان میں جزوی طور پر ہندو دھرم کے بعض تصورات کی جھلک بھی نظر آتی تھی لیکن بحیثیت مجموعی ان کے اصول اسلام سے اتنے قریب تھے کہ ان کے زمانے کے لوگ انھیں عملی طور پر مسلمان ہی سمجھتے تھے۔ سب سے پہلی اور بنیادی بات تو یہی تھی کہ بابا نانک صاحب (ہندوؤں کے عام عقائد کے خلاف) خدا کے واحد کا وہی تصور پیش کرتے تھے جو اسلام نے پیش کیا تھا۔ اور اسی کی عبادت

کو انسانی زندگی کا سب سے بڑا مقصد قرار دیتے تھے۔ اس خاص اور بنیادی نکتہ پر شاید دنیا کے کوئی دو مذاہب ایک دوسرے کے ساتھ اتنی قریبی مماثلت نہیں رکھتے۔ جتنی اسلام اور سکھ مذہب رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے انسانی مساوات کے اصول کو اپنایا اور پیدائشی ذات پات کی اوپرخ پنچ کی بجائے اسلام کی طرح صرف نیک اعمال کو انسان کی فضیلت کا صحیح معیار ٹھہرایا، لہذا مسلمان انھیں ایک خدا پرست انسان دوست پاکیزہ زندگی رکھنے والا۔ پیدائش کے لحاظ سے ہندو لیکن عقائد کے لحاظ سے مسلمان صوفی گردانتے تھے۔

اسلام اور سکھ مذہب میں یگانگت

گورو نانک سمیت سکھ مذہب کی تاریخ میں یکے بعد دیگرے دس گورو ہوئے ہیں۔ ان کا زمانہ تقریباً دو سو سال پر پھیلا ہوا تھا۔ اس زمانے کے حالات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور سکھ مذہب کے درمیان یگانگت کی بنا پر مسلمانوں اور سکھوں کے درمیان عام طور پر بھائی چارے اور خوش دلانہ ہمسائیگی کے تعلقات کارفرما رہے۔ تاریخ کے مستند واقعات اس چیز کی بہت واضح جھلکیاں پیش کرتے ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ جو افراد اپنی ذاتی اہمیت کی وجہ سے پبلک کاموں میں موثر کردار ادا کرنے کے قابل ہوتے ہیں خواہ وہ سکھ گورو ہوں، مسلمان صوفی ہوں یا محض سیاسی حیثیت رکھنے والے انسان ہوں کبھی کبھار حکومت وقت سے متصادم بھی ہو جاتے ہیں۔ لیکن سکھ گورو صاحبان کے زمانے کی تاریخ اس بات کے واضح ثبوت پیش کرتی ہے کہ اگر گورو صاحبان اور اس زمانے کے مغلیہ حکومت کے درمیان کبھی اس قسم کا حادثہ پیش آیا تو اس سے سکھوں اور مسلمانوں کے درمیان دوستی کی عام فضا متاثر نہ ہوئی۔

وہ واقعات جنہوں نے اس فضا کو بعد میں مکدر کیا، گورو صاحبان کے زمانے کے بعد رونما ہوئے دونوں زمانوں کی الگ الگ تاریخ اس قابل ہے کہ اس کے واقعاتی پہلوؤں کا حقیقت پسندانہ مطالعہ اور تجزیہ کیا جائے۔ اس مضمون میں صرف پہلے دو سو سال کے حالات کا مختصر جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔

پہلے گورو یعنی بابا نانک صاحب مغلیہ خاندان کے پہلے شہنشاہ بابر کے ہم عصر تھے۔ یہ بات تاریخ کے طالب علموں کو عام طور پر معلوم ہے کہ ان دونوں کی ملاقات محض اتفاقیہ طور پر ہو گئی۔ لیکن ایک مختصر ملاقات بابر کو متاثر کرنے کے لیے کافی تھی۔ اور اس مغل شہنشاہ نے بابا نانک کی تعظیم و تکریم اسی طرح کی جس طرح وہ مسلمان خدائے سیدہ صوفیوں کی کرتا تھا۔

بابر کے پوتے شہنشاہ اکبر نے اپنے زمانے کے سکھ گورو یعنی دتیسرے گورو امر داس کو وہ قطعہ زمین دیا جہاں سکھوں کی مرکزی عبادت گاہ (اس زمانے کا "ہری مندر" اور آج کا مشہور "گولڈن ٹمپل") تعمیر ہوا۔ امرتسر کا شہر اسی عمارت کے گرد معرض وجود میں آیا۔ اکبر نے گورو کی بیٹی کے جہیز کے لیے کئی گاؤں کی جاگیر بھی اس کے نام کر دی۔ گورو ارجن اور ان کے بعد آئندہ پانچ گورو اسی خاتون کے بیٹے، پوتے یا پڑپوتے تھے۔

گورو ارجن (پانچویں گورو) کے زمانے تک مسلمانوں اور سکھوں کے باہمی تعلقات کا ایک منہ بولتا ثبوت یہ تھا کہ جب اس گورو نے "ہری مندر" کی تعمیر شروع کی تو اس کا سنگ بنیاد رکھنے کے لیے اس زمانے کے ایک ممتاز مسلمان صوفی (حضرت میانمیر) کو دعوت دی۔ اور میاں میر صاحب نے اس دعوت

کو بہ خوشی قبول کیا۔ یہ واقعات کی عجیب ستم ظریفی تھی کہ مغل حکومت کے ساتھ سب سے پہلے تصادم بھی گورو ارجن ہی کا ہوا۔ لیکن اس بات کا مذہب سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس تصادم کے پس منظر میں جو وجوہات کارفرما تھیں۔ ان کے متعلق اکثر مؤرخ (سکھ، مسلمان، انگریز) متفق ہیں۔

اصل بات یہ تھی کہ لاہور کا ایک ہندو سیٹھ چندوشاہ (جو اس زمانے میں لاہور کے گورنر کا خزانچی اور مشیر مال تھا) اپنی بیٹی کی منگنی گورو ارجن کے فرزند سے کرنا چاہتا تھا۔ واضح رہے کہ اس زمانے تک سکھ گورو کی گدی اپنے مالی وسائل اور معتقدین کی تعداد کے لحاظ سے راجاؤں کی گدیوں کے مانند نظر آتی تھی۔ چندوشاہ نے ذاتی طور پر گورو کی خدمت میں پیغام بھجوائے لیکن اس سے پہلے کچھ ایسے واقعات ہو چکے تھے جن کی وجہ سے گورو نے یہ درخواست ٹھکرا دی۔ سیٹھ چندوشاہ نے اسے اپنی انتہائی توہین سمجھا اور انتقام لینے کا تہیہ کر لیا۔

اسے انتقام کا موقع اس وقت ملا جب جہانگیر اپنے بائیں بیٹے خسرو کے تعاقب میں لاہور آیا۔ خسرو نے دہلی سے لاہور کی جانب بھاگتے ہوئے راستے میں گورو ارجن سے امداد کی درخواست کی تھی۔ گورو نے اسے کوئی عملی امداد نہیں دی۔ شاید رسمی اشیر باد دے دیا ہو۔ لیکن دونوں کی محض ملاقات کی بنا پر سیٹھ چندوشاہ کو بادشاہ کے کان بھرنے کا موقع مل گیا۔ اور بادشاہ نے گورو کو خسرو کے حامیوں میں شمار کر کے بھاری جبر مانے کی سزا دی۔ اور جبر مانے کی ادائیگی سے انکار پر انھیں لاہور کے قلعے میں قید کر دیا۔

واضح رہے کہ اسی بادشاہ نے ایک موقع پر ایک ممتاز مسلمان مذہبی راہنما

حضرت مجدد الف ثانیؒ کو بھی قید میں ڈال دیا تھا۔

قید خانے میں گورو ارجن کو اذیت دی گئی جس سے تنگ آکر گورو نے ایک دن دریائے راوی میں اشنان کی اجازت حاصل کی اور اپنے آپ کو دریا کی لہروں کے حوالے کر دیا۔ گورو کے ہم عصر اور وفادار سکھ بخوبی سمجھتے تھے کہ یہ سب کچھ سیٹھ چند شاہ کے جذبہ انتقام اور ذاتی اثر و رسوخ کی وجہ سے ہوا۔ انہوں نے گورو ارجن کے گیارہ سالہ بیٹے (چھٹے گورو ہرگو بند) کو یہی بتایا۔ یہی بات نو عمر گورو کے ذہن پر نقش رہی اور وقت آنے پر انہوں نے اپنے باپ کے خون کا بدلہ چند شاہ کے خون سے لیا۔

جو جرمانہ گورو ارجن نے ادا نہ کیا تھا۔ اس کے عوض نو عمر گورو ہرگو بند کو بھی کچھ عرصہ گوالیار کے قلعہ میں قید رہنا پڑا۔ لیکن بعد میں امرائے دربار کے سمجھانے پر جہانگیر نے نہ صرف گورو کو رہا کر دیا بلکہ بعد میں ان کی وہی حیثیت تسلیم کر لی جو اس زمانے میں ”منصب داروں“ کو حاصل تھی۔ جس میں اپنی ذاتی فوج رکھنے کا حق حاصل تھا۔ گورو ہرگو بند کے اصطبل میں آٹھ سو گھوڑے تھے۔ تین چار سو مسلح سواران کے باڈی گارڈ میں شامل تھے۔ یہ پہلے گورو تھے جو سپاہیانہ مشاغل (گھڑ سواری، شکار، شمشیر زنی وغیرہ) کا خاص شوق رکھتے تھے۔ ان کی زندگی کے معلوم واقعات سے کسی دور رس سیاسی پروگرام کا پتہ نہیں چلتا۔ لیکن اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ وہ اپنے ذاتی حقوق کی خاطر ایک نڈر اور من چلے انسان کی طرح تلوار اٹھانے اور ہر مخالف کے ساتھ (خواہ وہ کوئی سرکاری عامل ہو یا غیر سرکاری حیثیت رکھتا ہو) ٹکرانے سے کبھی دریغ نہ کرتے تھے۔ ان کی زندگی کے واقعات سے ایک اور بات بھی بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔ گورو ارجن جس المیہ کا شکار ہو چکے تھے۔ گورو ہرگو بند اور ان کے پیرو اسے

حقیقت پسندانہ جنگ میں دیکھتے تھے۔ اس المیہ کی وجہ سے سکھوں اور مسلمانوں کے درمیان عام طور پر دوستانہ تعلقات میں کوئی فرق نہ پڑا۔ سیٹھ چندوشا کو پکڑوا کر لاہور سے امرتسر منگوانے اور قتل کرنے میں گورو ہر گوبند کو لاہور کے مسلمان سرکاری افسروں کا جو ان کے دوست تھے پورا تعاون حاصل تھا۔ ان کی فوج میں اکثریت مسلمان پیٹھانوں کی تھی۔ اور لشکار کے شوق کے سلسلے میں کئی مسلمان ان کے خاص دوست تھے۔

جہانگیر محض لگائی بجھائی کی بنا پر گورو ارجن کے خلاف سخت کارروائی پر آمادہ ہو گیا تھا۔ لیکن اسی قسم کے ایک موقع پر شہنشاہ اورنگ زیب نے (جو اپنے دادا سے مختلف اور ٹھنڈا مانغ رکھتا تھا) بالکل مختلف رویہ کا ثبوت دیا۔ اس کا بڑا بھائی شہزادہ داراشکوہ اکثر صوفیا کی خدمت میں حاضری دیا کرتا تھا۔ اسی طرح وہ اس زمانے کے گورو ہر رائے (ساتویں گورو) کے پاس بھی حاضر ہوتا تھا اس تعلق قلبی کے باعث گورو ہر رائے نے داراشکوہ اور اورنگ زیب کے درمیان ”جنگ دراشت“ کے سلسلہ میں بہت واضح طور پر داراشکوہ کی امداد کی۔ مستند تاریخ نگاروں (سرکار کنگھم) کے بیان کے مطابق جب داراشکوہ دہلی سے لاہور کی طرف بھاگ رہا تھا تو گورو ہر رائے کے آدمیوں نے اورنگ زیب کی فوج کا جو داراشکوہ کی فوج کا تعاقب کر رہی تھی راستہ روک کر تاخیر پیدا کرنے کی کوشش کی۔ گویا اورنگ زیب کو گورو ہر رائے سے حقیقی شکایت ہو سکتی تھی۔ لیکن اس بادشاہ نے جو عملی کارروائی کی وہ یہ تھی کہ گورو کو دہلی بلایا اور گورو صاحب کے بھیجے ہوئے ڈیلی گیشن (جس کا سربراہ گورو صاحب کا بڑا بیٹا رام رائے تھا) کے

کے ساتھ گفتگو کرنے کے بعد مامنی کو "زنت و گزشت" کہہ کر آئندہ کے لیے دوستانہ تعلقات قائم رکھنے پر آمادہ ہو گیا۔ گورو کے وکیل درام رائے کو اس کے دربار میں وہی عزت اور حیثیت حاصل رہی جو دوست راجاؤں کے وکیلوں اور سفیروں کو دی جاتی تھی۔ کچھ عرصہ بعد اس نے رام رائے کو سکھ گوردوارہ تعمیر کرنے کیلئے ڈیرہ دون میں زمین بھی دی۔ یہ گوردوارہ غالباً ابھی تک موجود ہے۔ تاہم جب گورو ہر رائے کی وفات (۱۶۶۱ء) پر ان کی وصیت کے مطابق رام رائے کا چھوٹا بھائی (اکٹھواں گورو ہری کرشن) گدی پر بیٹھا اور رام رائے نے اورنگ زیب کے دربار میں اپنی اعلیٰ حیثیت کے پیش نظر بادشاہ سے دخل اندازی کی درخواست کی تو بادشاہ نے دخل دینا مناسب نہ سمجھا۔

اورنگ زیب کی صلح پسندی

تھوڑے ہی عرصے کے بعد جب گورو تیغ بہادر گورو نامزد ہوئے تو رام رائے نے پھر کوشش کی کہ شہنشاہ دخل اندازی کر کے اسے گورو کی گدی پر بیٹھنے کا موقع دے۔ لیکن اورنگ زیب نے پھر بھی کوئی دخل نہ دیا۔ ان واقعات سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ اورنگ زیب کو نہ سکھ مذہب سے کوئی پرہاش تھی۔ نہ سکھوں کی ناراضگی سول لینے کا کوئی شوق تھا۔ لیکن یہ افسوسناک اتفاقات تھے کہ سکھوں کی تاریخ کے کئی مشہور ایسے اسی شہنشاہ کے عہد میں رونما ہوئے۔ لیکن اگر اصل واقعات کے مختلف پہلوؤں کا بہ غور مطالعہ کیا جائے تو حالات کی عجیب تصویر سامنے آتی ہے۔ جو اس تصویر سے بالکل مختلف ہے جو انگریزی عہد کی نصابی تاریخیں لکھوانے والے

عام طور پر پیش کرتے رہے ہیں

پہلا المیہ وہ تھا جو گوردیتھ بہادر اور ایک مسلمان پیر حافظ آدم کے خلاف دہلی کے قاضی کی عدالت میں مقدمہ کی صورت میں رونما ہوا۔ اس مقدمے میں قاضی نے باغیانہ سرگرمی کے الزام میں گوردیتھ بہادر کو سزائے موت دی اور حافظ آدم کو اس کی اس التجا پر کہ وہ مرنے سے پہلے ایک مرتبہ حج کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہے، ملک بدر کرنے کی سزا دی۔ اس مقدمے کے واقعات سے قطع نظر جو بجائے خود سکھ گورو اور مسلمان پیر کے درمیان اشتراک عمل ظاہر کرتے ہیں، اگر قاضی نے غلط فیصلہ دیا یا سزا کے معاملے میں بے جا سختی یا بددیانتی سے کام لیا، تب بھی یہ ایک فرد واحد کا فعل تھا۔ جس سے اوزنگ زیب کا یا اس کی نام نہاد پالیسی کا کوئی تعلق قطعاً نہ تھا۔ بلکہ اس بات کا قطعی ثبوت موجود ہے۔ (سکھ مورخ خشونت سنگھ) نے بھی اس بات کو بہ طور امر واقعہ تسلیم کیا ہے، کہ یہ تمام واقعہ ایسے وقت میں ہوا جب اوزنگ زیب دہلی میں موجود ہی نہ تھا۔ بہ ظاہر یہ اس کی لاعلمی میں ہوا۔

گورو گوبند سنگھ اور صوفی بدھو شاہ

اس المیہ کی وجہ سے سب سے زیادہ رنج اور صدمہ گوردیتھ بہادر کے نواسہ فرزند (اُئندہ سکھ تاریخ کے دسویں اور بہت مشہور گورو گوبند سنگھ) کو پہنچا۔ لیکن گورو گوبند سنگھ نے اس واقعہ سے جو تاثر لیا۔ اس میں سکھ مسلم دشمنی کا کوئی عنصر ہرگز شامل نہ تھا۔ جس کا روشن ثبوت یہ ہے کہ جب گورو گوبند سنگھ نے بیس سال کی عمر کو پہنچ کر اپنی زندگی کے پروگرام کی جانب پہلا قدم اٹھایا تو ایک مسلمان

صوفی سید بدھوشاہ کے مشورے اور تعاون سے اٹھایا۔ اور سید بدھوشاہ نے جان پر کھیل کر اور اپنے بیٹے کی جان گنوا کر گورو صاحب کا ساتھ دیا۔ اس واقعہ کی کچھ تفصیل بھائی گیان سنگھ گیانی نے اپنی اردو کتاب ”تاریخ گورو خالصہ“ حصہ اول (مطبوعہ خالصہ ایجنسی پریس۔ امرتسر) میں مہیا کی ہیں جو کئی لحاظ سے بہت معنی خیز ہیں۔ نوجوان گورو نے اپنی تعلیم و تربیت کے دس گیارہ سال ایک مقام پونٹہ (ریاست نوہن میں گزارے تھے) جب ان کی عمر بیس برس کی تھی۔ بھائی گیان سنگھ کے الفاظ میں :

”انہی ایام میں سید بدھوشاہ فقیر قصبہ ساڈھورہ سے ان (گورو صاحب) کو ملنے آیا اور معرفت الہی اور عشق حقیقی کا باہم خوب چرچا کیا..... اسی اثنا میں انہوں نے سرداران کا لے خال، سجاہت خال وغیرہ باشندگان داملہ کو مح پانچسو سواروں کے جو بادشاہی عتاب میں آکر بھاگے بھاگے پھرتے تھے۔ اور کوئی راجگان راجپوت میں سے ان کو مارے خوف کے پناہ نہیں دیتا تھا۔ سید بدھوشاہ کی سفارش پر اپنے پاس نوکر رکھ لیا.....“

اس فوجی جمیعت سے اس مرحلے پر کیا کام لینا مقصود تھا اس کی کوئی توضیح بھائی گیان سنگھ کی کتاب میں نہیں کی گئی۔ لیکن اگر آئندہ واقعات کو پیشی نظر رکھا جائے تو قیاس کیا جاسکتا ہے کہ جس منصوبے پر گورو گوبند سنگھ اور سید بدھوشاہ نے اتفاق اور باہم تعاون کا ارادہ کیا وہ کوہستان شوالک کی آبادی کو سکھ مذہب کے ذریعے خدا پرستی کی جانب لانے کا تھا۔ کوہستان شوالک ہمالیہ کے دامن میں ایک

دیسع علاقہ ہے۔ جو دریائے ستلج اور دریائے جہلم کے درمیان پھیلا ہوا ہے۔ اور اب ”سماچل پردیش“ کہلاتا ہے۔

گورو گوبند سنگھ تقریباً تمام عمر اسی علاقے میں مصروف کار رہے۔ یہ علاقہ کئی راجاؤں کی نیم خود مختار ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ جو مغلیہ حکومت کی باجگزار تھیں۔ مقامی آبادی عجیب مذہبی توہمات اور جہالت میں مبتلا تھی۔ منصوبہ غالباً یہ تھا کہ اگر ہندو راجے اس آبادی کو سکھ مذہب کے زیر اثر خدا پرست بنانے کے نیک کام کی فراہمیت کریں۔ تو طاقت کا جواب طاقت سے دیا جائے۔

ظاہر ہے کہ سید بدھو شاہ جو گورو کے ساتھ (بقول بھائی گیان سنگھ) ”معرفت الہی اور عشق حقیقی کا باہم چرچا“ کرنے کے لیے آئے تھے۔ گورو صاحب کو صوفیائے اسلام کے سلسلوں سے ملتے جلتے روحانی سلسلے کا گدی نشین سمجھتے تھے۔

ہندو راجاؤں نے فوراً خطرہ محسوس کیا۔ اور گورو صاحب کو بزور پونٹہ سے نکالنے کی کوشش کی۔ اور ان پانچ سو سواروں کو جو گورو کی فوج میں شامل ہو گئے تھے۔ لاپٹ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ جب ان نازک حالات کی اطلاع سید بدھو شاہ کو پہنچی تو وہ اپنے اور گورو صاحب کے مشترکہ پردگرم کو ناکامیابی سے بچانے کے لیے فوراً اپنے دو ہزار مسلح مریدوں کے ساتھ پونٹہ پہنچے۔ بھائی گیان سنگھ کے الفاظ میں :

”وہ (سید بدھو شاہ) اسی وقت دو ہزار سوار و پیادہ کی جماعت لے کر فوراً ان کی مدد کے لیے آپہنچا۔ اس کے آتے ہی میدان خوب گرم ہو گیا..... آخر کار راجگان کو مہستان کی سیاہ بدول ہو گئی۔

اور مقابلے کی تاب نہ لا سکی اور پیچھے بھاگ نکلی۔ گورو صاحب کی فوج نے کئی کوس تک اس کا تعاقب کیا اور بہت کو بے حیاں و زخمی کیا۔ ان کا جو مال اسباب تھا وہ بھی لوٹ لیا۔ اگرچہ اس طرف سے (گورو صاحب کی طرف سے) بھائی سنگھیا جیت مل وغیرہ بہادران اور سید بدھو شاہ کا بیٹا بھی کام آئے مگر چونکہ فتح اس طرف کی ہوئی تھی۔ اس وجہ سے ان کا چنداں افسوس نہ ہوا۔

یہ تھی گورو گونڈ سنگھ کی لڑائی جو پونٹہ کے قریب ”بھنگانی“ کے مقام پر ۶۱۶۸۶ میں لڑی گئی۔

پھر ایک اور واقعہ پیش آیا۔ جو اس سے بھی زیادہ معنی خیز تھا۔ گورو گونڈ سنگھ نے اپنا صدر مقام پونٹہ سے انند پور تبدیل کر لیا۔ یہ جگہ بھی (جو ان کے والد نے زمین خرید کر آباد کی تھی) کوہستان شوالک ہی میں بلا سپور کے راجہ بھیم چند کی ریاست میں تھی۔ پہلے اس نے اپنی ریاست میں گورو کے قیام پر اعتراض کیا۔ پھر پتیرہ بدل کر یہ ظاہر کیا کہ تمام راجے گورو صاحب کے تابع ہو جائیں گے۔ اگر وہ ان کے لیڈر بن کر مغلیہ حکومت کے افسر کی (جو خراج کی رقوم وصول کرنے کے لیے آ رہا تھا) مزاحمت کریں۔ گورو نے یہ بات مان لی۔ لیکن ہندو راجہ دوسری چال چل رہے تھے۔ انہوں نے ایک طرف گورو کی زیر قیادت منغل افسر حسین خاں) سے جنگ شروع کی۔ دوسری طرف گورو کے پس پشت حسین خاں کے ساتھ صلح کر کے اس سے کچھ رعایت حاصل کر لی۔ اور تصادم کا الزام گورو صاحب کے سر تھوپ دیا۔ گورو صاحب راجاؤں سے بد دل ہو کر انند پور میں جا کر بیٹھ گئے۔ اس تمام واقعہ کی رپورٹ شہنشاہ اورنگ زیب کو پیش کی گئی۔ تو اس نے جو حکم دیا وہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔

حکم یہ تھا کہ مفاہمت کا کوئی سوال نہیں۔ راجاؤں سے پوری رقم اور اس کے علاوہ تاوان وصول کیا جائے۔ بسکین گورو صاحب سے کوئی تعارض نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل اسی طرح جنرل مرزا بیگ نے کی۔ اس طرح گورو صاحب کو پہاڑی راجاؤں سے امن وامان کے دس گیارہ سال ملے۔ یہی زمانہ ان کی سب سے زیادہ نتیجہ خیز سرگرمیوں کا تھا۔ اس زمانے میں انہوں نے سکھوں کی نئے خطوط پر تنظیم کی۔ انہیں رہن سہن، شکل و صورت، لباس اور روزمرہ کی زندگی کے آداب کے لحاظ سے ہندوؤں سے الگ سماج کی شکل دی۔ ان کے اندر اپنی قومیت کا جذبہ بیدار کیا۔ انہیں ایک مذہبی حکم کے طور پر ہتھیار بند کیا۔ اور ایک نئی قوم کی حیثیت سے پنجاب کی آئندہ تاریخ میں شامل کر دیا۔

شہنشاہ اورنگ زیب کو ایک مرتبہ پھر دہلی سے دور دکن میں ایک طویل جنگی مہم کے لئے جانا پڑا۔ ہندو راجاؤں نے طویل خاموشی کے بعد اس موقع سے فائدہ اٹھایا ایک طرف انہوں نے اندپور پر حملہ کر دیا اور دوسری طرف دہلی دربار سے مدد مانگی۔ انہوں نے غالباً دہلی میں کسی افسر مجاذ کے ساتھ مل کر لیا تھا کہ اگر وہ دربار کے باجگذار راجاؤں کی حیثیت سے کسی "فساد و غیرہ" کو فرو کرنے کے لیے مدد مانگیں تو مدد دی جائے گی۔ چنانچہ ان کی اپیل پر مغل فوج کے دستے بھی راجاؤں کی امداد کے لیے آگئے۔

ہندو راجاؤں کی چال

اس لڑائی میں گورو گوبند سنگھ کو المناک مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کا

گھر بار لٹ گیا۔ ان کے ساتھ بہت تھوڑی جمیعت رہ گئی۔ اور ان کو اپنی جان کے
 لائے پڑ گئے۔ ان نازک حالات میں جب محاصرہ سے بچ نکلنے کی بن ظاہر کوئی صورت
 نظر نہ آتی تھی۔ گورو صاحب کے دو مسلمان جاں نثار ان کی مدد کو پہنچے۔ ان کے نام
 (غنی خاں اور نبی خاں) سکھوں کی تاریخ میں محفوظ ہیں۔ انہوں نے رات کے وقت
 گورو صاحب کو پاکی میں بٹھایا اور انھیں اپنا پیر ظاہر کر کے سنتریوں کے پہرہ سے
 نکال کر لے گئے۔ یہاں سے گورو صاحب نے سیدھا اپنے ایک اور مسلمان دوست
 بھگے گاؤں کا رخ کیا۔ یہ دوست (کننگھم کے قول کے مطابق) موضع بہلول پور کا ایک
 شخص پیر محمد تھا۔ اس کے پاس قیام کے دوران گورو صاحب نے اپنی منتشر جماعت
 کو پھر کسی حد تک جمع کیا اور پھر ایک مقابلتہ محفوظ مقام پر پہنچ گئے۔
 یہاں گورو صاحب نے ان تمام واقعات کے متعلق اپنا تاثر اور رد عمل
 ایک فارسی نظم ”ظفر نامہ“ کی صورت میں قلم بند کیا۔ اور یہ نظم ایک معتمد قاصد
 (بھائی دیا سنگھ) کے ہاتھ دکن بھجوائی۔ اس نظم کے متن کے ساتھ یہ عجیب حادثہ گزر
 چکا ہے کہ گورو صاحب کے پیروؤں نے اسے گوریکھی رسم الخط میں محفوظ کیا۔ پھر بہت
 دیر کے بعد اسے فارسی رسم الخط میں منتقل کیا گیا۔ جس سے اس کے اشعار اور الفاظ
 بہت ہی الٹ پلٹ ہو گئے ہیں۔ تاہم جس شکل (یا شکلوں) میں یہ نظم اب دستیاب
 ہوئی ہے اس سے گورو صاحب کا اس زمانے کا اندازِ فکر واضح ہو جاتا ہے۔
 اس نظم میں اس بات پر سخت تعجب ظاہر کیا گیا ہے کہ بادشاہ کی فوج ان کے خلاف
 ظالم پہاڑی راجاؤں کی مدد کرنے کے لیے آئیں۔ ایک شعر اس طرح
 پڑھا جاتا ہے۔

”منم کشته کوہیاں بت پرست
کہ آں بت پرستند و من بت شکست“

اس بات کی شکایت کی گئی ہے کہ مغل فوج کے سرداروں نے قرآن پر ہاتھ رکھ کر انہیں منافقت کا یقین دلایا۔ لیکن جب اس یقین دہانی پر گورو صاحب قلعہ (اندپور) سے باہر نکل آئے تو ان پر حملہ کر دیا۔ اور اس بات پر بار بار زور دیا گیا ہے کہ بادشاہ کے بخشی اور دیوان جھوٹے ہیں۔ جن پر کوئی اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔

گورو گوبند کی زندگی کا آخری سال اورنگ زیب کے جانشین بہادر شاہ کی رفاقت میں گزرا۔ بہادر شاہ نے ان شکایات کے متعلق جو گورو صاحب کو بھتیس تحقیقات اور انصاف کا وعدہ کیا۔ لیکن وہ اپنے نزدیک بعض دوسرے مسائل کو مقدم سمجھتا تھا۔ اور کچھ عرصہ ان میں الجھا رہے تھے۔ بعد وہ اپنے بھائی کام بخش سے نیٹنے کیلئے دکن کے سفر پر روانہ ہو گیا۔ گورو گوبند سنگھ کی رسمی ملاقات بہادر شاہ کے ساتھ آگرہ کے قلعہ میں ایک دربار کے موقع پر ہوئی تھی جہاں اس نے گورو کو درمصر مورخ خانی خاں کے بیان کے مطابق ایک مرتع سر بیچ اور ساٹھ ہزار روپیہ کے تحائف دیئے تھے۔ اس کے بعد گورو اپنے دو تین سونیزہ برداروں کے ساتھ تقریباً متواتر بادشاہ کے شریک سفر رہے۔

واقعات کا یہ طویل سلسلہ تاریخ کا ایک سبق آموز باب ہے۔ گورو گوبند سنگھ کی زندگی کے آخری چند سال ایک کے بعد دوسرے المیہ کا منظر پیش کرتے ہیں لیکن

ان واقعات میں گورو صاحبان اور ان کے مسلمان دوستوں کے درمیان بھائی چارے اور انتہائی پر خلوص دوستی کی جھلکیاں بہت واضح طور پر نظر آتی ہیں حکومتی عمال کی غلط کاریوں کے علاوہ (جن کا شکار ہر مذہب کے افراد ہوتے ہیں بسکھ مسلم دشمنی یعنی مذہب کی بنا پر ایک دوسرے کو دشمن سمجھنے) کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا۔



پاکستان میں سکھوں کے ۱۳ متبرک مقامات ہیں

گوردواروں کی دیکھ بھال پر ہر سال لاکھوں روپے خرچ کئے جاتے ہیں

حکومت پاکستان تمام اقلیتی فرقوں کے مذہبی جذبات کا پورا پورا احترام کرتی رہے۔ اور ان کی عبادت گاہوں کے تقدس کو برقرار رکھنے میں پیش پیش رہے۔ حصول آزادی کے بعد سکھوں کے انملاہ سے جو گوردوارے پاکستان میں رہ گئے تھے، ان کی مناسب دیکھ بھال کی جاتی رہے۔ ان کی مرمت اور تزئین کے لیے خاص خیال رکھا جاتا رہے۔ اور اس سلسلے میں ایک تحیر رقم ہر سال خرچ کی جاتی رہے۔ ۱۹۶۰ء میں متروکہ اوقاف بورڈ کا قیام عمل میں آیا۔ سکھ گوردواروں کو اپنی

اپنی تحویل میں لینے کے بعد اس بورڈ نے مذہبی امور کی مختلف کمیٹیاں قائم کی ہیں۔ جن میں سکھوں کو بھی نمائندگی دی گئی۔ ان کمیٹیوں کی رائے کو وقعت دی جاتی ہے۔ اور متعلقہ سکھ گوردواروں کی مرمت اور اصلاح کے معاملے میں ان کے مشوروں پر عمل کیا جاتا ہے۔

اس وقت مغربی پاکستان کے مختلف اضلاع میں تقریباً ۱۲۰ گوردوارے ہیں ہر سال اہم تقاریب کے موقع پر ہندوستان، افغانستان اور ایران سے ہزاروں سکھ زائرین ان گوردواروں پر حاضری دیتے ہیں۔ ان تقاریب میں سوات اور قبائلی علاقوں میں رہائش پذیر سکھ حضرات بھی شرکت کرتے ہیں۔

گوردوانک کے جنم استھان ہونے کی حیثیت سے ننکانہ صاحب انتہائی تقدس کا حامل ہے۔ اس قصبہ میں سکھوں کے مندرجہ ذیل گوردوارے موجود ہیں۔

- ۱۔ گوردوارہ جنم استھان :- یہ گوردوارہ اس مقام پر بنایا گیا ہے۔ جہاں گوردوانک جی مہاراج آج سے پانچ سو سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔

- ۲۔ گوردوارہ کیار صاحب :- یہ گوردوارہ اس مقام پر تعمیر کیا گیا۔ جہاں گوردجی اپنے مولشی چرایا کرتے تھے۔ اس ضمن میں کہا جاتا ہے کہ ایک دن گوردجی کے مولشیوں نے ایک کھیت کو اجاڑ دیا۔ اور گوردجی نے اس اجڑے کھیت کو دیکھتے ہی دیکھتے ہرا بھرا کر دیا۔

- ۳۔ گوردوارہ تمبو صاحب :- یہ گوردوارہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے تعمیر کرایا تھا۔ سکھوں کی روایت کے مطابق چوہڑکانہ سے ”سچا سودا“ کرنے کے بعد واپس آئے تو گوردجی نے اپنے ساتھی کے ہمراہ اس جگہ قیام فرمایا تھا۔

۴۔ گوردوارہ پٹی صاحب :- بیان کیا جاتا ہے کہ جس جگہ یہ گوردوارہ تعمیر کیا گیا ہے وہاں گورو جی نے ایک مولوی صاحب سے ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی۔
 ۵۔ گوردوارہ بال لیل صاحب :- جس جگہ یہ گوردوارہ موجود ہے۔ وہاں گورو جی بچپن میں اپنے ہم عصر ساتھیوں سے کھیلا کرتے تھے۔
 ۶۔ گوردوارہ مال جی صاحب :- اس جگہ گورو جی اپنے مولشی چرایا کرتے تھے اور آرام فرمایا کرتے تھے۔

دیگر مشہور گوردوارے حسب ذیل ہیں۔

(۱) گوردوارہ سچا سودا :- یہ گوردوارہ ضلع شیخوپورہ کے قصبہ چوہڑکانہ کے قریب واقع ہے۔ اور اسے سکھوں نے گورو جی کے سچے سودے کی یاد میں تعمیر کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ گورو جی کے والد نے کچھ رقم انہیں تجارت کی غرض سے دی لیکن گورو جی نے یہ رقم چوہڑکانہ میں بھوکے درویشوں کو کھانا کھلانے پر صرف کر دی۔

(۲) گوردوارہ کبوا بابا صاحب :- یہ گوردوارہ موضع جے سکھ تحصیل بھالہ ضلع گجرات میں واقع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ گورو جی نے اس مقام پر محور یا صنت ایک مغرور ہندو سادھو کو نصیحت کی تھی۔

(۳) گوردوارہ بابا دی بیری :- یہ گوردوارہ بابا دی بیری سیالکوٹ شہر میں واقع ہے۔ یہاں ایک بیری کا درخت تھا جس کے نیچے ایک روایت کے مطابق گورو جی نے آرام فرمایا تھا۔

(۴) گوردوارہ کرتار پور صاحب :- یہ گوردوارہ سکھوں نے گورو جی کی آخری

یادگار کے طور پر بنایا تھا۔ اس جگہ گورو جی نے ۱۵۳۹ء میں وفات پائی تھی۔

(۵) گوردوارہ ٹبہ بابا نانک :- سکھ مؤرخین کے قول کے مطابق گورو جی نریمیا پور جاتے ہوئے یہاں قیام فرمایا تھا۔

(۶) گوردوارہ روڑی صاحب ایمن آباد ضلع گوجرانوالہ :- گورو جی نے اس مقام پر پتھروں اور کنکریوں پر بیٹھ کر خدا کی عبادت کی تھی۔

(۷) گوردوارہ نانک صاحب ہڑپہ :- سکھوں کی روایت کے مطابق گورو جی نے اس مقام پر سرکاری افسروں کو عوام کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرنیکی تلقین کی تھی۔

(۸) گوردوارہ نانک صاحب دیپالپور :- سکھوں کی روایت کے مطابق گورو جی نے بیان جنڈام میں مبتلا ایک مسلمان درویش کے پاس رات بسر کی تھی۔

(۹) گوردوارہ پنچ صاحب :- یہ گوردوارہ سکھوں کے عہد حکومت میں ہری سنگھ نلوا نے تعمیر کروایا تھا۔ یہاں ایک بہت بڑے پتھر پر پنچ کا ایک نشان ہے جسے گورو جی کے پنچہ کا نشان تصور کیا جاتا ہے۔

گوردوارہ نانک جی مہاراج کے پانچ سو سالہ جشن ولادت کے سلسلے میں متروکہ اوقاف بورڈ نے تمام اہم گوردواروں کی مرمت و تزئین پر لاکھوں روپے خرچ کئے ہیں۔ اس کے سبب ان کی شان اور عظمت دوبالا ہو گئی ہے۔ سکھ زائرین کی سہولت کے لیے بورڈ نے مناسب انتظامات کئے ہیں۔ یہ زائرین جو ہندوستان، ایران، افغانستان، برطانیہ، ملائیشیا، نیروبی، لائنگ کانگ اور دیگر ممالک سے ہزاروں کی تعداد میں آرہے ہیں ان گوردواروں کی موجودہ حالت کو دیکھ کر یقیناً مطمئن ہوں گے اور انھیں خود یہ اندازہ ہو جائیگا کہ حکومت پاکستان ان کی دیکھ بھال کے لیے کیا کچھ کر رہی ہے :

نظام حکومت پر ایک اعتراض

یہ مسئلہ امر ہے کہ اسلام کا نظام حکومت جمہوری ہے جمہوریت

میں عدل و انصاف کے جو معنی یہاں ہیں سلاطین اسلام کی برابر ان پر نگاہ رہی۔ حتیٰ کہ بڑے سے بڑے دشمنوں کو بھی اس میں کوئی کلام نہیں کہ مسلمان بادشاہ سب کے سب عادل و منصف تھے اور اس معاملے میں دنیا کی کوئی قوم مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مگر یہ کہ اسلام کا مزاج بادشاہی نہیں جمہوری ہے۔ پھر مسلمان بادشاہ کیوں بادشاہی کرتے رہے انہوں نے ہندوستان میں جمہوریت کی ترویج و اشاعت کیوں نہیں کی یہ سوال سلاطین ہند کے لیے بالعموم اور اسلامی ہند کے آخری باجبروت شہنشاہ اوزنگ زیب عالمگیر کے لیے بالخصوص ان اذیان میں ضرور پیدا ہوتا ہے جو اسلام کے نظریہ حیات اور نظام حکومت پر یقین رکھتے ہیں۔

اس اہم سوال کا جواب دینے کے لیے ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ مسلمان حکمرانوں کے سامنے وہ کیا شے تھی جس کے پیش نظر انہوں نے جمہوریت کے بجائے بادشاہت کا راستہ اختیار کیا۔

در اصل چالاک و عیار برہمنوں نے اپنے اقتدار اور اختیار کو مضبوط اور مستحکم بنانے کے لیے تمام نسل انسانی کو ہندوستان میں جن چار درجوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ اس نے مساوات انسانی کی راہوں کو بالکل مسدود کر دیا اور جمہوریت چونکہ مساوات کی بنیاد پر قائم ہوتی

ہے۔ لہذا جب انسانی مساوات کی بجائے ذات پات اور اس کی اوپنچ پنچ معاشرے پر حاوی اور غالب آگئی تو جمہوریت کا تصور کیونکر پیدا ہو سکتا تھا اور جمہوریت کیسے قائم ہو سکتی تھی لہذا ہم اب یہ کہہ سکتے ہیں کہ بادشاہت کا قیام ہندوستان کی سیاست کا عین تقاضا تھا۔ جس کی ہندوؤں کے اس معاشرتی نظام نے بھرپور تائید کی جس کی بنیاد نسل انسانی کی چار ذاتوں پر تھی۔

عیار برہمنوں نے نسل انسانی کو علی الترتیب جن چار ذاتوں میں درجہ بدرجہ تقسیم کیا وہ یہ ہیں۔

اول برہمن دوم کشتری سوم ویش چہارم شودر
یہ برہمنوں کا دعویٰ ہے کہ وہ برہما (خدا) کے منہ سے پیدا ہوئے
ہیں۔ کشتری کا درجہ برہمن کے بعد آتا ہے۔ کیونکہ وہ برہما کے بازوؤں
سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس لئے ان کا کام تلوار چلانا، ملک کی حفاظت
کرنا ہے۔ ویش کا درجہ کشتری کے بعد آتا ہے کیونکہ وہ برہما کی
رانوں سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس لیے ان کا کام یہ ہے کہ غلہ اگائیں
ملک کے لیے خوراک کا بندوبست کرنا انہی کا کام ہے۔ شودر کا درجہ
ان تینوں کے بعد آتا ہے کیونکہ یہ لوگ برہما کے پاؤں سے پیدا
ہوئے ہیں۔ لہذا شودروں کا یہی کام ہے کہ وہ برہمن، کشتری،
اور ویش ہی کی خدمت کرتا رہے انہی سے اپنی روزی حاصل
کرے۔ ہندوؤں کی ایک مقدس کتاب منو سمرتی میں لکھا ہے

شودر کو محض برہمن کی غلامی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ شودر کو اگر آزاد بھی کر دیا جائے تو بھی وہ غلامی سے رہائی نہیں پاسکتا کیونکہ یہ غلامی اس کی فطرت میں داخل ہے۔

انسان کا چار ذاتوں میں تقسیم ہو جانا پھر چار ذاتوں کا ایک دوسرے کی امداد کا محتاج رہنا ایسی خرابی تھا جس کے باعث کوئی جماعت اور گروہ اس لائق نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ سیاسی قوت حاصل کر سکے اور اپنے زور سے پھر کسی کو بادشاہت سے ہٹا دے اور دوسرے کو اس کی جگہ پر بادشاہ بنا کر بٹھا دے اور یہ کہ باقی تینوں ذاتوں کو اپنا تابع بنا لے۔

ذات پات کے اس غیر انسانی اصول اور ضابطے کی وجہ سے انسان ایک ایسے معاشرے میں تقسیم ہو گیا جس سے وہ ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہنے پر مجبور ہو گیا۔ ظاہر ہے ذات پات ہی وہ پہلا اور آخری ایسا حربہ تھا جس نے جمہوریت کے قیام اور اس کی ترقی کو ناممکن بنا دیا اور بادشاہت کی ضرورت از بس لازمی ہو گئی۔

انسان کو ذات پات میں تقسیم کر دینا جو برہمنوں کا اپنے سیاسی اقتدار اور اختیار کو مضبوط اور مستحکم بنانے کی ایک چال تھی۔ مذہب بن گیا اور یہی مذہب پھر جمہوریت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بن گیا۔ اور منہ ڈول کا یہ عقیدہ ہو گیا کہ ذات پات کے لحاظ سے جو شخص جس ذات

یا فرقے میں پیدا ہو گیا وہ مرتے دم تک اسی میں رہے گا۔ اس سے باہر کبھی نہیں نکل سکے گا۔ یہ عقیدہ رفتہ رفتہ اس قدر سخت اور ناقابلِ ترمیم دستورِ حکومت کی حیثیت اختیار کر گیا کہ بادشاہت کے سوا کوئی اور طریقہ یا راستہ حکومت کرنے کا باقی نہ رہا۔

منوجی مہاراج جو ایک ہندو قانون ساز ہیں۔ جن کا دھرم شاستر ہندوؤں کی ایک الہامی کتاب وید کی تفسیر ہے بادشاہت کے بارے میں کہتے ہیں۔ بادشاہ کا خمیر دنیا کے محافظ عناصرِ شہت گانہ سے تیار کیا جاتا ہے۔ اس لیے بلحاظ نورانیت وہ تمام مخلوق میں ممتاز ہوتا ہے۔ وہ انسانی صورت میں ایک بہت بڑا دیوتا ہوتا ہے۔ بھیشم کے خیال میں بادشاہ وشنو جگوان کی روح اپنے اندر جذب کر لیتا ہے یہی سبب ہے کہ تمام دنیا ایک انسان کے سامنے اس طرح سر تسلیم خم کرتی ہے جس طرح کسی دیوتا کے بنامنے۔ کوتلیا کی رائے کے مطابق بادشاہ اندر دیوتا اور یم دیوتا کے ہم مرتبہ ہوتے ہیں۔ لہذا بادشاہ کی تحقیر نہیں کرنی چاہیئے۔

سیاستدانوں اور قانون دانوں نے اپنے عہد میں بادشاہت کو صرف اہم اور اعلیٰ ترین منصب ہی نہیں بتایا بلکہ ان حالات سے مجبور ہو کر جن میں وہ اپنی زندگی بسر کر رہے تھے اس میں انتہائی تقدیس و تحريم کے عنصر کو بھی شامل کر دیا۔ اب اس اہم سوال کا جواب کہ دنیا کے تمام مذاہب میں اگر اسلام ہی وہ پہلا دین ہے جس نے اہل دنیا کو پہلی بار جمہوریت سے روشناس کرایا اور دنیا میں جمہوری طرزِ حکومت کی بنیاد رکھی تو کیا وجہ ہے کہ اسلام کے نام لیاؤں خاص کہ

ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں نے جمہوری حکومت قائم نہیں کی۔ اس سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں قوموں ہی کے عہد حکومت میں مملکت کا نظریہ بادشاہت پر مبنی تھا۔ ان کے خیال کے مطابق بادشاہ کی ذات ہی سیاست کے تمام افکار اور مملکت کے فرائض کا محور تصور ہوتی تھی۔ سیاسی مفکرین کی تصانیف میں بھی اول سے آخر تک بادشاہت ہی کی ضرورت اور اس کی اہمیت کا ذکر ہے۔ جیسا کہ مہا بھارت اور شانتی پرون کے بیانات سے واضح ہے یا منو اور کوتلیا کے خیالات سے عیاں ہے۔ کہ امن و امان کے قیام کی شدید ضرورت ہی سے مملکت کی تشکیل اور بادشاہت کی موجودگی کا تقاضا پیدا ہوتا ہے۔ انسانی معاشرے کو طوائف الملوک سے بچانے کے لیے بادشاہت از بس لازمی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پرانے زمانے میں وہ لوگ بالکل تباہ و برباد ہو جاتے تھے۔ جن کا کوئی بادشاہ نہ ہوتا تھا۔ وہ لوگ ایک دوسرے کو اس طرح نکل جاتے تھے جس طرح بڑی مچھلیاں چھوٹی چھوٹی مچھلیوں کو نکل جاتی ہیں۔

مہا بھارت میں ہے جس طرح آفتاب و مانتاب کے طلوع نہ ہونے سے دنیا پر گہری تاریکی چھا جاتی ہے جس طرح مچھلیاں تھوڑے پانی میں اور چڑیاں محفوظ جگہ کے لیے ایک دوسرے سے لڑ لڑ کر تباہ و برباد ہو جاتی ہیں اسی طرح لوگ بادشاہ کے بغیر تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ مسلمان قانون دانوں یعنی فقیہوں نے بھی پھر کچھ ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ہے جن سے بادشاہت کا جواز ہٹا ہوتا ہے۔ چنانچہ

ابوالفضل کی رائے ہے کہ اگر دنیا میں بادشاہ کا وجود نہ ہوتا تو فتنہ و فساد سے کبھی نجات حاصل نہ ہوتی اور نہ خود غرضی کا قلع قمع ہوتا۔ لاقانونیت اور نفسانیت سے مغلوب ہو کر فروغ انسانی قہر ہلاکت میں گر جاتی اور دنیا سے فارغ البالی رخصت ہو جاتی اور تمام کرۂ ارض ایک دشتِ بے آب و گیاه بن کر رہ جاتا۔ لہذا سب سے پہلے انسان کے لیے بادشاہ کی ضرورت ہے پھر بیوی کی اور اس کے بعد دولت کی۔ کیونکہ ملک میں جب تک بادشاہ نہ ہو انسان اپنی بیوی اور دولت سے لطف نہیں اٹھا سکتا۔ (امین اکبری)

فقہائے اسلام نے بادشاہت کے جواز میں جو دلائل پیش کئے ہیں ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ ملک میں امن و امان اور معاشرے میں ضبط و انقیاد کے قیام میں انسان کی خود غرضی بغاوت اور سرکشی خاص طور سے رکاوٹیں پیدا کرتی ہے۔ ادنیٰ اوصاف، رذائل اخلاق مثال کے طور سے ظلم و ستم جبر و تشدد اور بے انصافی انسان کی فطرت کا حصہ بن چکی ہیں لہذا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ لوگوں میں ایک عادل حاکم ہونا چاہیے جو بنی آدم کے اعمال اور اہل علم کے احوال کی رہنمائی کرے، اور انہیں ہر بلا اور مصیبت سے مامون و محفوظ رکھے۔ (حوالے کے لیے دیکھئے سیاست نامہ)

حاکم عادل کا فرض ہے کہ وہ طاقتور لوگوں کو کمزور آدمیوں پر ظلم و ستم ڈھانے سے روکے۔ شرانگیز اور ایذا رسانی اور بغاوت و سرکشی کا دروازہ ایک بادشاہ ہی بند کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے لوگوں کے دلوں میں اس کا خوف بیٹھ جاتا ہے۔ تاکہ وہ اس عدل و انصاف کے زیر سایہ

امن و سکون کے ساتھ اپنی زندگی بسر کر سکیں
 بادشاہ کے عدل و انصاف کی بدولت بعض لوگ بخوشی اطاعت کی شاہراہ
 اختیار کرتے ہیں بعض لوگ شاہی سیاست سے مرعوب ہو کر ظلم و ستم
 سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ اور ضرورت سے مجبور ہو کر سیدھی راہ
 پر چلنے لگتے ہیں۔

اوزنگ زیب عالمگیر کے پدر گرامی قدر شہنشاہ شہاب الدین شاہجہاں
 کے نزدیک بادشاہت کا مفہوم یہ تھا کہ خالق کائنات کی دولت و امانت
 یعنی رعیت کو آرام کی زندگی بسر کرنے کے لائق بنایا جائے۔ بادشاہ کی
 جو انفرادی کمزوریوں کی فلاح و بہبود اور اللہ تعالیٰ کی پرستش کرنے
 والوں کی حمایت میں صرف ہونی چاہیئے (حوالے کے لئے دیکھیئے سیاست نامہ
 آئین اکبری۔ ذخیرۃ الملوک۔ اکبرنامہ)

دلفظی بات یہ کہ حکمران قوم اور محکوم قوم یعنی مسلمان اور ہندو دونوں
 بادشاہت کے قائل تھے اس لیے اسلامی ہندوستان میں جمہوری حکومت
 کی بجائے بادشاہی طرز حکومت ہی وقت کا تقاضا تھا۔ جسے عدل و انصاف
 کے ساتھ مسلمان بادشاہوں نے امتیازی حیثیت سے بخوبی پورا کیا۔

درحقیقت بادشاہ نام ہے ایک ایسے مطلق العنان حکمران کا، جس کی
 زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ قانون کا درجہ رکھتا ہے۔ سب لوگ اس کے پابند
 ہیں کہ وہ اس کی اطاعت اور اتباع کریں مگر وہ خود کسی قاعدے قانون
 کا پابند نہیں۔ ان معنوں میں دنیا کے کسی حصے میں مسلمانوں کی کبھی کوئی

بادشاہت قائم نہیں ہوئی اور نہ کوئی مسلمان بادشاہ ایسا گنہگار ہے جو اپنے آپ کو قانون سے آزاد اور بالاتر سمجھتا ہو۔ مختصراً یہ کہ مسلمان بادشاہوں کے ہر دور میں محدث گتیری کی بہترین مثالیں مل جاتی ہیں اور ہر زمانے میں اسلام ہی کا قانون رائج تھا۔ یہ صحیح ہے کہ اوزنگ زیب کے پردادا شہنشاہ اکبر کے زمانے میں اسلامی قانون سے متعلق بعض مثالیں ملتی ہیں جن پر عمل نہیں کیا گیا۔ مگر ایک تو یہ کہ وہ تھوڑی سی ہیں دوسرے یہ کہ اس کا دائرہ عمل بہت محدود رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ اکبر کے دور میں بھی اسلام ہی کا نظام عدل گتیری قائم رہا۔ صرف مقدمات فوجداری میں بعض سزائیں ایسی ہیں جو اسلامی قانون کے مطابق نہیں کہی جاتیں۔

یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب اوزنگ زیب سربراہان سلطنت ہوا تو اس نے سوچا کہ اب ان اسلامی روایات کی تجدید ہونی چاہیے جو کسی وجہ سے قبل ازیں قائم نہ ہو سکیں۔ چنانچہ ہندوؤں پر حبس دوبارہ لگا دیا اور نئے مندبنانے پر بھی پابندی لگا دی۔ مگر پرانے مندروں کے لیے اس نے اعانت کے طور سے جاگیریں منظور کر دیں تاکہ غیر مسلموں کو اپنے مذہبی رسوم و طواہر کے سلسلے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔

نئے مندروں کی تعمیر پر اوزنگ زیب عالمگیر نے جو پابندی لگائی تھی وہ ظاہر ہے کہ مذہبی تعصب سے نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ پرانے مندروں کی مالی امداد کیوں منظور کرتا یہ صرف شاہی خزانے کو مزید بوجھ سے

بچانے کے لیے ایک اقدام تھا۔ مگر مرہٹوں اور اوزنگ زیب کے درمیان جو مکرہ آرائیاں ہوئیں ہندو یہ بھول گئے کہ اوزنگ زیب غیر مسلموں سے کس درجہ رواداری رکھتا اور حسن سلوک سے پیش آتا تھا۔ محض اسلام اور مسلمان دشمنی کے جذبے سے انہوں نے ان لڑائیوں کو سیاسی مکی بجائے مذہبی رنگ دیدیا اور یہی وہ بنیاد ہے جسے آگے چل کر انگریز اور ہندو مؤرخوں دونوں نے مل کر جہاں اور بہت سے مسلمانوں بادشاہوں پر گندگی پھینکی ہے، کیچڑ اچھالا ہے وہاں اوزنگ زیب عالمگیر کو بھی خوب مطعون کیا ہے اور نئی نسل میں اسے ایک جابر و قاتل اور بے حد متعصب حکمران کے طور سے پیش کیا ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ ہندو اور انگریز مؤرخوں نے صرف یہی نہیں کہ اوزنگ زیب پر فاحشی سخت نکتہ چینی کی ہے بلکہ اپنے خبیث باطن سے لگے ہاتھ اسلام کو بھی ہدف تنقید بنایا ہے۔

اوزنگ زیب عالمگیر کے مخالفوں نے اس کے خلاف جو فرد جرم تیار کی ہے وہ بڑی طویل ہے۔ وہ سب یہی کہتے ہیں کہ اس نے اپنی قلمرو میں ہندوؤں کے مندر ڈھا دیئے۔ جس سے ہندو ناراض ہو گئے اس نے مرہٹوں کے خلاف دکن میں ایک طویل جنگ کا سلسلہ شروع کیا جس سے مغلیہ سلطنت کے وسائل اور وقار کو سخت نقصان پہنچا۔

ہم مسلمانوں کے لئے سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ نئے زمانے میں تاریخ نویسی کی جو روایات قائم ہوئیں، ہندو

اور انگریز مؤرخوں نے جو کچھ لکھ دیا، جن خیالات کو پیش کر دیا ہم نے انہی معلومات کا منبع سمجھ کر قبول کر لیا ہے اور انہی کے طرز نگارش کو ایک معیار بنالیا ہے۔ اور یہی شے اُن تمام خرابیوں کی جڑ ہے جو آج سلاطین اسلام کے باب میں ہماری نئی نسل کے سامنے ہے۔

اورنگزیب عالمگیر کے زمانے کے مؤرخوں میں جادوناٹھ سرکار اور مغربی مفکر لین پول کے نام سر فہرست ہیں۔ ان لوگوں نے اصل مآخذ سے جو فارسی میں ہیں فائدہ اٹھایا ہے۔ ان دونوں مؤرخوں نے اورنگزیب عالمگیر کی بعض خصوصیات اور ذاتی صفات کی بڑی تعریف کی ہے۔ اس کی ذہانت، فہم و فراست، صداقت، شجاعت اور علمی فضیلت کے علاوہ اس کی دینداری اور تقویٰ کا بھی کھلے بندوں اعتراف کیا ہے۔

مگر بایں ہمہ لین پول نے معذرت کو شازہ اور دھیمے لہجے میں اور جادوناٹھ سرکار نے متعصباہ اور معاندانہ انداز میں اورنگزیب عالمگیر پر سخت تنقید بھی کی ہے۔ اور اپنی کتاب اسلامی کلیسانی

ریاست ہندوستان (THE ISLAMIC STATE CHURCH)

میں لکھا ہے: اسلامی ریاست اصولی

طور سے ایک بھتیا کرہی ہے جس میں تمام وسائل اور تمام قوتیں حکومت اور سیاسی اقتدار کے تحت دینِ حق کی تبلیغی مہم کے

وقف ہوتی ہیں۔ اس لئے اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کو باقی رہنے کا حق دینا گناہ کے مترادف ہے۔ اسلام کی فتح کے بعد جو لوگ لڑائی میں شریک تھے انہیں قتل کرنا یا غلام بنانا ضروری ہے۔ جو لوگ جنگ میں شریک نہیں ہوتے تھے اگر انہیں قتل نہ کیا جائے تو انہیں یہ ترغیب دی جاتی کہ اسلام قبول کر لیں غرضیکہ تمام لوگوں کو مسلمان بنانا اور ہر طرح کے اختلاف کو کچل دینا اسلامی ریاست کا نصب العین ہے۔“

جادونا تھے سرکار نے اور نہ جانے کتنے ہی ایسے الزامات اور ننگ زیب عالمگیر پر لگائے ہیں جو بالکل بے بنیاد ہیں۔ اسی طرح کا ایک بے سرو پا الزام جسے مولوی محبوب عالم مرحوم نے اپنی کتاب ”تلوار اور اسلام“ میں بیان کیا ہے، یہ بھی تھا کہ اورنگزیب عالمگیر ہر صبح جب تک ایک من یا سوا من ہندوؤں اور برہمنوں کی زنا (جنیو) لگے سے اُتر کر تڑوان لیتا صبح کا کھانا ہرگز نہ کھاتا۔ محبوب عالم مرحوم اس لغو داستان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”بالغرض اگر ایک زنا کار زن دس رتی رتی مان یا جائے تو ایک من زنا کار کا مطلب یہ ہوا کہ اسے ۲۰،۴۰ اشخاص کے لگے سے اُتر دیا گیا اور سوا من ۲۸،۴۰۰ اشخاص کے لگے سے اگر ۲۸،۴۰۰ ہندو روزانہ مسلمان کیئے جاتے تھے تو اورنگزیب عالمگیر کی پچاس برس کی طویل سلطنت میں ۵۷ کروڑ ہندوؤں کا مسلمان ہونا لازم آتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی سوچئے

کہ روزانہ اگر سوا من جینو توڑے جاتے اور جینو کا کم سے کم دس رتی وزن مان لیا جائے تو اس حساب سے ۲۸۴۰۰ ہندوؤں سے روزانہ سابلو پڑتا۔ اس طرح سے ہندوستان کے تمام ہی ہندو ختم ہو جاتے مگر ایسا نہیں ہوا۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ روایت ہی سرے سے بے بنیاد اور لغو ہے۔

پروفیسر جادونا تھ سرکار کے نزدیک اورنگزیب عالمگیر کا سب سے بڑا جرم یہ تھا کہ وہ ہندوستان کو ایک اسلامی ریاست بنانا چاہتا تھا۔ بقول سرکار کے ہندوؤں پر دوبارہ جزیہ لگانا اور ان کے مندروں کا گرائے جانا اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ سرکار کے خیال میں اورنگزیب ایک نااہل اور متعصب حکمران تھا۔ حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے۔

یہ بات اورنگزیب عالمگیر کی حکمت عملی کے پیکر خلاف تھی کہ ہندوؤں کے مندر گرائے جائیں۔ بحیثیت ایک عادل اور باجبروت حکمران کے اورنگزیب عالمگیر نے اپنے جو فرمان جاری کیے وہ تاریخ کی بیشتر کتابوں میں آج بھی محفوظ ہیں جن سے یہ پتہ چل سکتا ہے کہ اُس نے اپنے ہمہ حکومت میں بہت سے مندروں کو بڑی بڑی جائیدادیں عطا کیں۔

جزئیے کے باب میں ہم یہاں صرف اتنا کہیں گے کہ ہر چند اورنگزیب عالمگیر نے ہندوؤں پر جزیہ دوبارہ عاید کیا تاہم اسی ذیل میں اور بہت سے ٹیکس بھی تو ختم کر دیئے تھے۔ لہذا جزیے سے متعلق ہندوؤں نے جو کچھ لکھا ہے وہ تعصب پر مبنی ہے۔

یہ کہنا کہ یہ ایک ٹول ٹیکس تھا جس کا ادا کرنا ہر ہندو پر لازم تھا سراسر غلط بات ہے۔ چودہ برس تک کے تمام ہندو لڑکے اور لڑکیاں جزیے سے مستثنیٰ تھیں۔ اندھوں، معذوروں اور پاگلوں سے بھی جزیہ نہیں لیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ مندروں کے پجاری بھی جزیے سے مستثنیٰ تھے۔ البتہ ایسے پجاریوں کو مزوری جزیہ دینا پڑتا تھا جن کے پاس وقف و عیزہ کی کثیر آمدنی ہوتی تھی۔ سرکاری ملازمین سے چاہے وہ کسی محلے سے تعلق رکھتے ہوں جزیہ نہیں لیا جاتا تھا۔

جزیہ صرف ایسے ہی کھاتے کھاتے ہندوؤں و عیزہ سے لیا جاتا تھا جو تندرست اور جوان ہوتے تھے۔ اگر ہم ایک کنبے کو اوسطاً چھ افراد پر مشتمل فرض کر لیں تو اس لحاظ سے عیز مسلم آبادی کے چھٹے حصے پر جزیے کا ادا کرنا لازم آتا ہے۔ اور اگر اس میں معذور اور بیروزگار افراد اور سرکاری ملازمین کی تعداد کو منفی کر دیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ہر سو افراد میں صرف بارہ تیرہ افراد جزیہ دیتے تھے۔ یہ گویا آبادی کا کل اٹھواں حصہ شمار ہوتا ہے۔ پھر یہ کہ جزیہ کی رقم بھی کچھ زیادہ نہ ہوتی تھی۔ ایک امیر کبیر آدمی کو سال میں زیادہ سے زیادہ تیرہ روپے چار آنے ادا کرتے پڑتے تھے۔ بخلاف اس کے مسلمانوں کو اپنی محفوظ آمدنی میں سے دھائی فی صد رقم زکوٰۃ میں ادا کرنی پڑتی تھی جو ظاہر ہے جزیے کی رقم کے مقابلے میں بہت زیادہ ہوتی تھی۔ یہ حقائق اس بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ اورنگزیب عالمگیر کی حکومت کی حکمت عملی صرف اسلامی روایات پر قائم تھی کسی تعصب اور

تنگ نظری پر نہیں۔

یہ بات خاص طور سے ذہن میں رہنی چاہیے کہ معاشرے اور نظم حکومت کے بارے میں اور نگزیب عالمگیر جو تصور اور خیال رکھتا تھا اس کی اساس شریعت اسلام ہی کے اصول تھے جنہیں وہ عملی شکل دینے میں تمام عمر کوشاں رہا۔

معاشرے کی اصلاح کے سلسلے میں اور نگزیب عالمگیر کا ہندوؤں کی رسم ستی کے خلاف حکم دینا اور اسے موقوف کرنا اس کی حکومت کا ایک اہم قدم ہے۔ راہداری کو جو کھانے پینے کی چیزوں پر دس فیصد ٹیکس تھا اس نے ختم کر دیا۔ اس سے بہ نسبت مسلمانوں کے ہندوؤں کو زیادہ فائدہ پہنچا۔ اس کے علاوہ ابواب کو بھی جو اسی قسم کے محصولات تھے، معاف کر دیئے۔ علاوہ ازیں بعض ایسے ٹیکس بھی موقوف کر دیئے جو صرف ہندوؤں ہی کو دینے پڑتے تھے۔ مثلاً ہر وہ ہندو جو کسی مقدس مقام پر غسل کرتا تھا سو اچھ روپے معاوضہ ادا کرتا تھا۔ اسی طرح ہر اس ہندو لاش پر بھی ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا جسے گنگا میں بہایا جاتا تھا۔ اس سے یہ بات قطعی طور سے غلط ثابت ہو جاتی ہے کہ اور نگزیب عالمگیر کو اپنی ہندو رعیت سے تعصب تھا اور وہ اس کے آرام و آسائش کا خیال نہیں رکھتا تھا۔

اور نگزیب عالمگیر کی خواہش یہ تھی کہ معاشرہ پورے طور اسلامی سانچے میں ڈھل جائے۔ چنانچہ بھنگ کی کاشت کی سارے ملک میں ممانعت کرنا، طوائفوں کو شادیاں کر لینے پر مجبور کرنا، شراب پینے، جوا کھیلنے

اور زنا کرنے کو قانون کی نگاہ میں سنگین جرم قرار دینا اسی مقصد کو حاصل کر لینے کے لیے تھا۔

اپنے دربار سے ناچ گانے کی محفلوں کو خارج کرنا، بادشاہ کو تولیے کی رسم کو ختم کرنا اور نوروز کے جشن کو موقوف کرنا یہ سارے اقدامات اسی مقصد کے تحت اٹھائے گئے کہ اس کے دور کا معاشرہ قطعی طور سے اسلامی ہو جائے۔

ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس مقصد کے لیے اورنگزیب عالمگیر بعض اوقات اپنی اصلاحات میں حد سے بڑھ جاتا تھا اور تنگ نظر علماء کے مشوروں کو قبول کر لیتا تھا جیسا کہ سرمد کے معاملے میں اس سے ایسا ہوا۔ صرف تنگ نظر ہونے کے جرم میں علماء کے فتوے پر سرمد کو قتل کر دیا گیا۔ حالانکہ سرمد اگر اپنے طرز عمل کو تبدیل کرنے پر تیار نہیں تھے تو انہیں معاشرے سے علیحدہ رکھا جاسکتا تھا۔ ہر چند یہ متشدد رویہ اورنگزیب عالمگیر کی طرف سے روارکھا گیا تاہم یہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ وہ متعصب اور تنگ نظر تھا۔

اورنگزیب عالمگیر کا سب سے بڑا بھائی داراشکوہ اگر ہندوستان کے تحت و تاج کا مالک بن جاتا تو وہ یقیناً اکبر اعظم کے دین الہی کو زندہ کرتا جس سے ہندوستان کے اکثر لوگ نہ ہندو رہتے نہ مسلمان خاص کر مسلمانوں کے لیے تو دین الہی سم قاتل ثابت ہوتا۔ غرض داراشکوہ کے محمدانہ خیالات جو اس کی تصانیف سے ظاہر ہوتے ہیں اہندوستان

کا اکر ثانی ثابت کرتے جس نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے وجود کو
مٹا کر ہندوستان کی متحدہ قومیت پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ مگر
شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور شیخ احمد سرسندی مجدد الف ثانی کی مجاہدانہ
لٹکار نے اسے ناکام بنا دیا۔

اور نگزیب عالمگیر کا حقیقت میں یہی سب سے بڑا زریں کارنامہ
ہے کہ اُس نے داراشکوہ کو شکست دے کر حکومت پر تسلط جمایا اور اپنی
اصلاحات جاری کر کے اکبر کے فقہ دین الہی کو از سر نو زندہ کئے
جانے کے تمام امکانات کو یکسر مٹا دیا۔

دراصل ہندوؤں نے بعض واقعات کو مذہبی رنگ دے کر جواہرنگ
زیب عالمگیر کے خلاف ہرزہ سرائی اور غوغا آرائی کی ہے اس کی اصل وجہ
یہ ہے کہ اس کے ہمد مدت گستر میں وہ ہندوؤں کو آزادی نہیں ہو سکی جس
کی ہندوؤں کو داراشکوہ سے توقع تھی یا جس کی داراشکوہ نے مثالے
پیش کی تھی، جس کا کوئی جواز نہ تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اورنگزیب عالمگیر مذہب کو بڑی اہمیت
دیتا تھا وہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھا مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ
وہ غیر مذہب سے تعصب رکھتا اور ان کے معاملات میں مداخلت
کرتا تھا۔ اُس نے صرف انہی ہندوؤں کو مٹانے اور ان کی
اصلاح کرنے کی کوشش کی جن سے معاشرے میں خرابیاں پیدا ہوتی تھیں
بد اخلاقی اور بد کرداری کو راہ پانے کا موقع ملتا تھا۔ مگر باس ہمہ جس

انداز سے اصلاح کی کوشش کی گئی اُس میں جبر و تشدد کی کوئی صورت پیدا نہیں ہونے دی گئی۔ مثلاً سستی کی رسم کے خلاف اورنگزیب عالمگیر کے ہمد میں جو طرز عمل اختیار کیا گیا ایک فرانسیسی سیاح ڈاکٹر برنیر نے اپنے بارہ سالہ روزنامے میں اس انسانیت سوز کام کی روک تھام کا خاکہ اس طرح پیش کیا ہے، وہ لکھتا ہے:-

”آج کل پہلے کی نسبت سستی کی تعداد بہت کم ہو گئی ہے۔ کیونکہ مسلمان جو اس ملک کے حکمران ہیں اس وحشیانہ رسم کو مٹانے کی جہاں تک ہو سکتا ہے کوشش کرتے ہیں۔ اگرچہ اس کی ممانعت کے سلسلے میں کوئی قانون وضع نہیں کیا گیا کیونکہ یہ بات ان کی حکمت عملی کے خلاف ہے کہ وہ کسی مذہبی رسم میں دست اندازی کریں ان کے یہاں مذہبی مراسم کے ادا کرنے کی مکمل آزادی ہے تاہم سستی کی رسم کو جو ہندوؤں کے مذہب میں داخل ہے (بعض رکاوٹیں پیدا کر کے مٹانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ کوئی عورت اپنے صوبے کے حاکم کی اجازت کے بغیر سستی نہیں ہو سکتی اور صوبے کا حاکم (گورنر) اُس وقت تک سستی ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا کہ جب تک اسے اس بات کا پورا یقین نہ ہو جائے کہ وہ اپنے ارادے سے ہنگر باز نہیں آئے گی۔ کبھی تو وہ ایسا کرتا ہے کہ سستی ہونے کی خواہش مند عورت کو محل سرا میں بھیج دیتا ہے۔ تاکہ بیگمات بھی اسے اپنے طور سے راہ راست پر لانے کی کوشش کریں اور سمجھا بچھا کر اُس

کوستی ہونے سے روکیں۔

ستی کی رسم کو مٹانے کی تمام کوششوں میں یہ بات سرفہرست نظر آتی ہے کہ اوزنگزیب عالمگیر کی طرف سے ملک کے تمام صوبوں کے حاکموں کو واضح طور پر یہ ہدایت کی گئی تھی کہ وہ سستی پر آمادہ ہونے والی عورت اور اس کے رشتے داروں کو حتی المقدور یہ بتائیں اور سمجھائیں کہ زندگی ایک امنول نعمت ہے اسے یوں ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ ایسا کرنا حقیقت میں زندگی سے فرار اور خودکشی ہے۔

اگر اوزنگزیب عالم گیر کے عہد حکومت کا ایک ناقدانہ تاریخی جائزہ لیا جائے اور یہ معلوم کرنے کی سعی کی جائے کہ اس کی حکمت عملی کا وہ کونسا گوشہ ایسا ہے جس کے پیش نظر مورخوں میں اس کے خلاف اتنا تعصب پیدا ہوا تو جملہ اعتراضات کا تجزیہ کرنے کے بعد پتہ چلے گا کہ تنگ نظر اور متعصب مورخوں نے اسے اس کے اسی کارنامے کے سبب ناپسند کیا ہے جو ایک حقیقت پسند نقاد کے نزدیک اس کی سب سے بڑی اور نمایاں خدمت ہے۔

درحقیقت اسلامی ہندوستان کا معاشرہ دوسرے معاشروں کی طرح اندرونی اور بیرونی حملوں کے صدمات سے محفوظ نہ رہ سکا۔ اگرچہ اسے اور بہت سے حملوں کے صدمات سے بھی دوچار ہونا پڑا تاہم اکبر اعظم کے دین الہی کے حملے کا صدمہ سب سے بڑا جاں گسل اندرونی صدمہ ثابت ہوا۔ معاشرے میں اس کی وجہ سے جو رخنہ پیدا ہو گئے تھے انہوں نے ایک مستقل حقیقت اختیار کر لی تھی۔

دراصل اسی حملے کو رد کرنے اور اس کے اثرات کو مٹانے کے لیے علمائے اسلام

عبداللہ محمد دہلوی اور شیخ احمد سرہندی المعروف مجدد الف ثانی نے جو تحریک چلائی تھی اورنگ زیب عالمگیر اس کا نہایت سرگرم کارکن تھا۔ اگر وہ بادشاہ نہ ہوتا تو وہ بھی اس تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے وہی طریقہ اختیار کرتا جو علمی ہوتا ہے۔ مگر وہ چونکہ ایک بادشاہ تھا اس لیے اس نے اپنے فرائض منصبی کو اس طرح سے انجام دیا کہ ایک طرف تو اس سے بادشاہت کے شرائط پورے ہوتے رہے دوسری طرف وہ ایک مصلح کا کردار بھی انجام دیتا رہا۔

اورنگ زیب کی حکومت کی حکمت عملی کے باب میں یہ بات بلا خوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ اس کی بنیاد ہرگز تعصب اور تنگ نظری پر قائم نہیں تھی بلکہ ان روایات اور اصولوں پر تھی جن پر عمل کرنا اس کے لیے بہت ضروری تھا۔ وہ روایات اور اصول اسلام کی شریعت سے متعلق تھے جس کے بنیادی احکام کو نافذ کرنا لازم تھا۔ یہ احکام صرف غیر مسلموں تک ہی محدود نہ تھے بلکہ ان میں سے اکثر احکام کا تعلق مسلمانوں کی زندگی سے تھا جن پر محکمہ احتساب سختی سے عمل کرتا تھا۔

جو لوگ اورنگ زیب عالمگیر کی اصلاحات کو نگاہوں کے سامنے رکھتے ہوئے اسے ایک متعصب اور تنگ نظر حکمران ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ حقیقت میں اس کی اصلاحات کا مطالعہ بغور نہیں کرتے۔ اگر اصلاحات کے پس منظر پر ایک نظر ڈالی جائے اور یہ دیکھا جائے کہ وہ کیا اسباب تھے جن کی بنا پر اورنگ زیب عالمگیر نے اصلاحات جاری کیں تو ایک ایک کر کے وہ تمام اعتراض دور ہو سکتے ہیں جن کو بنیاد بنا کر مؤرخوں نے حقائق کو مسخ کرنے کی جرات کی ہے۔

رزم آرائی | اسلام نے موروٹی اور خاندانی بادشاہت کبھی تسلیم نہیں کی۔

کیونکہ اسلام کے نزدیک خدا کی زمین پر اس کا ہر بندہ ہر فرد اس کا نائب ہے۔ قرآن حکیم میں اس تصور اور نقطہ نظر کو خلافت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

خلافت ایک ایسا نظام حکومت ہے جس کی بنیاد انتخاب پر ہے۔ بنا بریں یہ بات بلا خوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ دنیا کی تاریخ میں اسلام ہی وہ پہلا اور آخری دین ہے جس نے انتخاب کے ذریعے ایک ایسے نظام حکومت کی اساس استوار کی ہے جس کا اہل دنیا نے ظہور اسلام سے پہلے علی تو کیا تخیلی طور پر بھی مشاہدہ نہیں کیا۔ خلافت کی معنوی رعایت سے خلافت کا دوسرا نام جمہوریت ہے۔ اگرچہ جمہوریت کا آج مغرب میں بہت چرچہ ہے تاہم اسلامی جمہوریت اس سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ مغربی جمہوریت کے معنی ہیں عوام کی حکومت، عوام کے لیے اس کے برعکس اسلامی جمہوریت میں انسان کی حکومت کا کوئی تصور نہیں ملتا یہاں حاکمیت مطلقہ اعلیٰ کے لیے اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پاک سزاوار ہے۔ لہذا سب کے سیاسی حقوق یکساں ہیں نہ کوئی حاکم ہے نہ محکوم۔

مگر افسوس اسلامی جمہوریت (خلافت) کا زمانہ تیس برس سے زیادہ قائم نہ رہ سکا۔ اسے خلافت راشدہ کا دور کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد بنی امیہ، بنی عباس اور ترکان عثمانیہ کی جو حکومتیں قائم ہوئیں وہ اگرچہ نہ تو پورے طور پر بادشاہت کا نظام تھیں نہ جمہوریت کا۔ تاہم ان کا نام خلافت ہی رہا۔ مگر مغلوں نے اس کے نظام پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ انہوں نے اسے ایک نظریے کی حد تک بھی قائم نہ رکھا۔

مغلوں نے اپنے اجتہاد سے کام لیتے ہوئے حکومت کی جانشینی کے لیے یہ اصول اختیار کر لیا تھا کہ باپ کے مرنے کے بعد اس کا بڑا بیٹا اس کے تخت پر

حکومت کا وارث ہو گا چنانچہ جب یہ طے پا گیا کہ شاہجہان کے بعد اس کا بڑا بیٹا داراشکوہ اس کا جانشین ہو گا تو اس کی مخالفت کرتے ہوئے مسلمانوں کی اکثریت یعنی اہل سنت والجماعت داراشکوہ کے مخالف خیالات کو نگاہوں کے سامنے رکھتے ہوئے اور نگزیب عالمگیر کے حامی و ناصر ہو گئے جو ایک سچا مسلمان تھا اور اس فقہ پر عمل کرتا تھا جس کے بانی امام ابو حنیفہ تھے۔

اگرچہ داراشکوہ کے لشکر میں نہایت آزمودہ اور تجربے کار سپہ سالار تھے جن میں راجپوتوں اور شیعہ مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ بخلاف اس کے اورنگ زیب عالمگیر کے لشکر میں ناتجربہ کار اہل سنت والجماعت مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ جن میں صرف اورنگزیب عالمگیر اور مراد اس سے مستثنیٰ تھے، یعنی وہ تجربے کار تھے تاہم دونوں طرف مذہبی عقائد کی بنا پر ہی رزم آرائی ہوئی مگر مظفر و منصور ہونا خدا کی طرف سے اورنگ زیب عالمگیر ہی کا مقدر ہوا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اورنگ زیب کی تخت حکومت پر قدم رکھتے ہی اسلام کلہوڑیں مضبوط ہو گئیں۔

مختصر یہ کہ حکومت حاصل کرنے کے بعد سچاس برس کی مدت میں عالم گیر کو ہزاروں مشکلیں اور مصیبتیں پیش آئیں جن کا اس نے کمال تدبیر اور عزم و ہمت کے ساتھ مقابلہ کیا۔ تاریخ شاہد ناطق ہے کہ اس عظیم المرتبت حکمران کی سیرت و کردار پر کبھی کوئی حرف نہیں آیا۔ حتیٰ کہ ایسے ایسے مؤرخ جو عالمگیر کے مخالف تھے۔ بعض اوقات اس کے اوصاف حمیدہ کی تعریف کرنے اور اس کی اعلیٰ شخصیت کا اعتراف کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے تھے۔ مثلاً خانی خاں جو ایک شیعہ مؤرخ تھا اور عالمگیر کو پسند نہیں کرتا تھا۔ مگر اس کی کتاب منتخب اللباب دیکھئے جس میں وہ موقع بے موقع بے اختیار عالمگیر

کی تعریف کر جاتا ہے۔

خانی خاں لکھتا ہے راجا جسونت سنگھ نے جب پہلی مرتبہ حملہ کیا تو بڑا سخت حملہ تھا۔ بڑی لوٹ مار مچی، مگر یہ عالم گیر می کا طرف اور حوصلہ تھا کہ اس قیامت کے ہنگامے میں وہ نہایت سنجیدگی اور وقار کی چٹان بنا ہوا اپنی جگہ کھڑا رہا۔ اس کے رویے میں تبدیلی اور سرایمگی کا ذرا سا بھی شائبہ دکھائی نہیں دیا بلکہ وہ یہ تمام احکامات نافذ کرتے اور تدبیر کرتے ہوئے نہایت خوشدل اور ہشاش بشاش نظر آ رہا تھا۔ کم حوصلہ لوگوں کی طرح نہ تو اس نے بے دماغی کا مظاہرہ کیا نہ عنیض و غضب کا اظہار کیا نہ اس کی زبان سے کوئی تلخ اور تند و تیز فقرہ نکلا بلکہ نہایت اطمینان و سکون سے مگر بڑے حکمانہ انداز میں وہ بھی انتشار کو دور کرنے اور پر اگندہ جمعیت کو اکٹھا کرنے میں مصروف رہا اس کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو معلوم بدحواسی میں کیا کچھ کر گزرتا لیکن عالمگیر نے اس واقعہ کو اپنے لیے نیک فال ہی تصور کیا۔ چنانچہ وہ کہا کرتا تھا: "اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس ذریعے سے دوست دشمن، موافق اور منافق کی پہچان ہو گئی۔ اور اس کسوٹی پر ہر ایک کا کھوٹا کھرا معلوم ہو گیا۔ اس لیے ہم تو اس واقعے کو عطیہ اٹھی اور وسیلہ کامرانی سمجھتے ہیں اور جو کوتاہ اندیش منافق اس واقعہ کو غنیمت کا غلبہ تصور کر کے اس کے لشکر میں چلے گئے ہیں وہ اس کا انجام بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ اس موقع پر ایک مست جنگی ہاتھی سر پر چلا آ رہا تھا مگر عالم گیر کے غزم و ہمت اور استقامت کا یہ حال تھا کہ وہ ایک اپنج بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹا بلکہ اس نے ہاتھی کے پاؤں میں زنجیریں ڈلوادیں۔

داراشکوہ کے ساتھ معرکہ آرائی کے بعد خانی خاں لکھتا ہے۔ اوزنگ زیب عالمگیر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تائید تھی کہ ان چار جنگوں میں ایسے بہادر جنگجو دشمنوں

کے مقابلے میں کامیابی حاصل کی اور نازک سے نازک وقت میں اور بڑے سے بڑے حادثے میں وہ ثابت قدم رہا اور دشمنوں کے غالب آجانے کے باوجود اس کو شکست دیکر بھگا دیا۔ جب اسے داراشکوہ کے فرار ہونے اور فتح پانے کی خبر ملی تو سجدہ شکر بجالایا۔ پھر اس کے بعد وہ خواجہ معین الدین چشتیؒ اجمیری کے مزار پر گیا۔ ناتھ پڑھی اور وہاں کے خادموں کو انعام و اکرام دیکر کوچ کیا۔ اور ادھر داراشکوہ کے تعاقب میں راجا جے سنگھ کو ایک لاکھ روپے اور بہادر خاں کو تیس ہزار روپیہ عطا کر کے اور دونوں کو خلعت فاخرہ سے نوازتے ہوئے روانہ کیا۔

آغوشِ محبت | ہندو اور انگریز مورخوں نے اوزنگ زیب عالم گیر پر خوب کچڑ اچھالا ہے۔ اس پر سخت اعتراض کئے ہیں اور کہا ہے کہ وہ سخت متعصب اور غاصب تھا۔ اس نے باپ کو قید کیا اور بھائیوں کو قتل کیا۔ خود مسلمان مورخوں میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں مثلاً خانی خاں اور مائرا مراد کا مؤلف جو عالم گیر کے سخت مخالف تھے۔ اگر عالم گیر کے خطوں کی روشنی میں جو اس نے اپنے باپ کے نام لکھے اس کی سیرت و کردار و عمل کا تجزیہ کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ اوزنگ زیب عالم گیر ایک ایسا عادل و منصف اور باجبروت حکمران تھا جس نے اعلیٰ قدروں اور اسلامی اصولوں پر سلطنت کی بنیاد قائم کی۔ دنیا کی تاریخ میں ایسے حوصلہ مند انسان کی مثال ملنا مشکل ہے۔

ابتداء میں اوزنگ زیب عالم گیر شاہ شجاع اور مراد بخش یہ تینوں ایک طرف تھے اور اپنے پدر گرامی شاہجہان کی حمایت کے سہارے داراشکوہ اکیلا دوسری طرف

اس نے اپنے تینوں بھائیوں عالمگیر، شجاع، اور مراد کو اس زمانے میں بے حد تنگ کرنا شروع کر دیا۔ جب شاہجہان بستر علالت پر دراز ہو گیا اس نے تینوں بھائیوں کے وظیفے بند کر دیئے۔ ان کی جاگیریں ضبط کر لیں۔ اور ان پر فوجیں روانہ کر دیں جس سے ان تینوں کو یہ شبہ پیدا ہو گیا کہ شاہجہان کا انتقال ہو گیا ہے جسے داراشکوہ نے چھپا رکھا ہے۔

یہ تینوں بھائی داراشکوہ کو بے دین اور کافر سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر داراشکوہ بادشاہ بن گیا اور اس کے ماتھے مضبوط ہو گئے تو اس سے جہاں ایک طرف خود ان کی ذات کو نقصان پہنچے گا وہاں دوسری طرف اسلام کو بھی سخت خطرے سے دوچار ہونا پڑے گا۔ لہذا تینوں بھائیوں نے آپس میں ایک خفیہ معاہدہ کر لیا کہ وہ اس فتنے کو مٹائیں اسلام کی خدمت اور مسلمانوں کی حفاظت کریں۔ اور شاہجہان اگر زندہ ہے تو اسے داراشکوہ کی قید سے رہائی دلائیں۔

صورت حال یہ تھی کہ شاہجہان کی طویل علالت کے باعث داراشکوہ باپ کا لاڈ لایٹیا ہونے کے گھمنڈ میں شاہجہان کے نام پر حکومت کرتا تھا۔ اور اسے کاروبار حکومت سے بالکل معطل کر دیا تھا۔ علاوہ اس کے یہ کہ داراشکوہ نے شاہجہان کے خط اور دستخط کی نقل میں ایسی مہارت پیدا کر لی کہ اصل کا گماں ہوتا تھا۔ وہ شاہجہان کے نام سے احکام صادر کرتا تھا جن کی اسے مطلق خبر بھی نہ ہوتی تھی۔ یہ تینوں بھائی صحیح صورت حال سے مطلع کرنے کے لیے شاہجہان کے نام جو خط لکھتے تھے داراشکوہ انہیں شاہجہان تک پہنچنے ہی نہیں دیتا تھا۔ مزید برآں اسی زمانہ اقتدار میں اس نے ہندوؤں کی بے حد طرفداری کی۔ بعض مقامات پر ان کی اس حد تک طرفداری کی کہ

مسلمانوں کو نقصان پہنچانے سے بھی گریز نہ کیا مسجدوں اور بزرگان دین کے مقبروں کو بے دریغ دھا دیا۔

ستم بالائے ستم یہ کہ خود شاہجہان نے بھی اپنی بیماری کے باعث کاروبارِ حکومت داراشکوہ پر چھوڑ دیا تھا۔ اور خود کو اپنی دانست میں معذور اور گوشہ نشین سمجھ لیا درحقیقت وہ داراشکوہ کی قید میں تھا اور نظر بند تھا۔ مگر بائیس ہجری ۱۰۳۱ء میں اس پر مہربان تھا۔ اس نے اسے پہلے ہی سے اپنا جانشین مقرر کر رکھا تھا اب کہ طویل بیماری کے باعث ہاتھ پیر چلنے سے رہ گئے تو اسے اب اپنا نائب سمجھ لیا۔

ایک تو یہ کہ داراشکوہ لاڈلا بیٹا تھا دوسرے یہ کہ شاہجہان کا نائب تھا اس رعایت اور نسبت سے اس نے اپنے بھائیوں کو مبتلائے مصیبت کئے رکھا اور جو کچھ ان کے خلاف کیا اور امور سلطنت میں من مانی کارروائیاں کیں ان سب کی شاہجہان کو بالکل خبر نہ ہونے دی۔ تینوں بھائی اپنے معاملات کی صفائی میں جو کچھ باپ کو لکھتے تھے داراشکوہ ان کے خطوط شاہجہان تک نہیں پہنچنے دیتا تھا۔ جس کا نتیجہ داراشکوہ کے حق میں بیحد مفید نکلا اور اسے ان زیادتیوں اور اذیتوں کی مطلق اطلاع نہ ہونے پائی۔ جو داراشکوہ نے اپنے بھائیوں کے لیے روارکھی تھیں۔

یہ درست ہے کہ داراشکوہ کے راہ فرار اختیار کرنے کے بعد اورنگ زیب عالمگیر نے بھی شاہجہان کو ایک عرصے تک اسی طرح نظر بند کئے رکھا جس طرح سے اُسے داراشکوہ نے قید اور نظر بند کر رکھا تھا۔ لیکن اس معاملے میں اورنگ زیب عالم گیر حق بجانب تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ شاہجہان اصل حالات سے بے خبر ہے اور اسے مجرم سمجھتا ہے لہذا اگر اس کے اختیارات بحال کر دیئے گئے تو وہ اُسے ضرور

سزا دے گا۔

اورنگ زیب عالمگیر کا اپنے باپ کے بارے میں یہ خیال کس حد تک صحیح تھا اس کا اندازہ اس وقت بخوبی ہو جاتا ہے جب شاہجہان نے داراشکوہ کی شکست اور گرفتاری کے بعد اپنے دونوں بیٹوں شجاع اور مراد کو عالمگیر کے خلاف بہکا اور ورغلا کر مقابلے کے لیے تیار کیا اور مراد کو یہاں تک لکھ دیا کہ تم عالم گیر کو قتل کر ڈالو تو سارے مالک محروسہ کی بادشاہت تمہیں دے دی جائے گی۔ اب ان واقعات کو سامنے رکھتے ہوئے خود فیصلہ کر لیا جائے کہ عالم گیر کا اپنے باپ شاہجہان کو نظر بند رکھنا صحیح تھا کہ غلط؟ اگر عالمگیر کو شاہجہان سے اپنی جان کا خطرہ نہ ہوتا تو وہ اسے داراشکوہ کی قید سے نجات دلا کر اسے ضرور پھر مطلق العنان حکمران بنا دیتا۔ اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے باپ کے نام جو خطوط لکھے ہیں ان میں اس نے باپ کا پورا پورا خیال اور ادب ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ جو دلیل ہے اس بات کی کہ اورنگ زیب عالمگیر نہایت مؤدب اور ایک سعادت مند بیٹا تھا۔ یہی سبب ہے کہ آخر کار شاہجہان کی پدرانہ محبت جوش میں آئی اور عالمگیر کی تمام خطائیں معاف کر دیں۔

مگر بایں ہمہ اورنگ زیب کو شاہجہان کی طرف سے برابر خوف رہا کہ مبادا شاہجہان حاسدوں اور منافقوں کی باتوں میں آکر پھر اس کی جان کے پیچھے پڑ جائے اور اس کے اشارے پر قلعہ کے اہلکار اس کا کام تمام کر دیں لہذا کئی بار اس نے اپنے خطوں میں شاہجہان سے یہ درخواست کی کہ وہ حضور کی قدیموسی کے لیے حاضر ہونا چاہتا ہے۔ اسے یہ اجازت مرحمت فرمائی جائے کہ وہ قلعے میں اپنے قابل اعتماد جاں نثار اہلکاروں کو متعین کر کے حفاظتی انتظامات کے ساتھ حاضر خدمت ہو۔ مگر شاہجہان نے اس کی

اس درخواست کو منظور نہ کیا اگرچہ وہ بادشاہ تھا ایسے لوگوں کو قلعے سے نکال باہر کرنے کی قدرت رکھتا تھا جو اسے قتل کرنے کے لیے شاہجہان کے آلہ کار بن سکتے تھے لیکن عالمگیر نے یہ بات اپنے باپ کی تعظیم اور ادب کے خلاف سمجھی اس لیے اس نے ایسا نہیں کیا۔

لیکن انگریزوں اور ہندوؤں نے مسلمان بادشاہوں کو رسوا کرنے اور نئی نسل کی نگاہوں سے گرانے کی جوہم چلائی تھی اس میں عالم گیر سی کا نام سرفہرست تھا۔ لہذا دنیا بھر کے مظالم و مصائب اور نگ زیب عالمگیر کی ذات میں جمع کر دیئے گئے اسے باپ کا نافرمان اور بھائیوں کا قاتل قرار دیا گیا۔ مگر اب شاہجہان، اورنگ زیب عالمگیر اور اس کے بھائیوں کے جو خطوط شائع ہو کر سامنے آئے ہیں اصل حقیقت بے نقاب ہو گئی ہے اور اسلامی ہندوستان کے سلاطین میں وہی ایک ایسا طاقتور اور باجبروت حکمران دکھائی دیتا ہے جس کی پچاس سالہ حکومت اسلامی ہندوستان کا طغریٰ امتیاز ہے۔

فتاویٰ عالمگیری

اورنگ زیب عالمگیر کے عہدِ حکومت سے پہلے فقہ کی کوئی ایسی جامع اور مستند کتاب موجود نہیں تھی جس سے مسائل کے استخراج و استنباط میں پوری پوری مدد مل سکے۔ اورنگ زیبؒ نے اس کی کوشش سے محسوس کیا۔ چنانچہ بہت سے علماء و فضلاء کو جمع کر کے ایک قانونی کمیشن بٹھادیا جو اس بات کا جائزہ لے اور منصوبہ تیار کرے کہ اس کی کو کس طرح پورا کیا جاسکتا ہے۔

اس کمیشن کے سربراہ شیخ نظام الملک پوری تھے، اور اراکین میں شادلی اللہ محدث دہلوی کے والد شاہ عبدالرحیم، علامہ محمد جمیل جونپوری، قاضی محمد حسین جونپوری، علامہ حامد جونپوری، شیخ رضی الدین بھگل پوری، علامہ وجیہ الرب محمد فائق محمد اکرم محمد غوث، سید معدن، غلام محمد، عنایت اللہ وغیرہ علماء و فضلاء عصر شامل تھے۔ اور اس عظیم کام کے لیے شاہی کتب خانہ وقف کروایا گیا جس میں بے شمار کتابیں موجود تھیں۔

یہ کتاب جس کی نسبت اورنگ زیب عالمگیر ہی کی طرف منسوب ہے فتاویٰ ہندیہ و فتاویٰ عالمگیری کے نام سے موسوم ہے۔ یہ تقریباً سات آٹھ سال کی شبانہ روز محنتِ شاقہ سے تیار ہوا اور ناکھ روپے کی رقم اس کی تیاری پر صرف ہوئی۔ اس فتاویٰ میں جہاں نماز، حج، زکوٰۃ، ایمان، طہارت، نکاح، طلاق، جہاد اور بیع و شری کے مسائل بیان کئے گئے ہیں وہاں حدود و تعزیر اور قضا کے آداب اور طریقے بھی واضح کئے گئے ہیں۔

اگر ہم قضاء کے آداب اور طریقوں کا گہری نظر سے مطالعہ کریں تو پتہ چلے گا کہ فوجداری دیوانی اور قانون شہادت میں انگریزوں نے بہت سی باتیں قنائدی عالمگیری سے ہی اخذ کی ہیں اور اس وقت پاکستان میں اس سلسلے کے جو قوانین رائج ہیں ہم اگرچہ انہیں انگریزوں کا ورثہ اور انگریزی قانون کا حصہ خیال کرتے ہیں تاہم حقیقت میں ایسا نہیں یہ قنائدی عالمگیری کا ہی فیضان ہے۔

مقدمات کے فیصلہ کرنے کے سلسلے میں یہ بات بھی صرف ایک پاک دہندہ تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کی مثال تمام دنیائے اسلام میں بھی موجود ہے۔ جہاں قنائدی عالمگیری نظیر کا کام دیتا ہے دولت عثمانیہ ترکیہ کے مجلہ میں بھی قنائدی عالمگیری کا سواہ موجود اور وہاں عدالت کی کارروائیوں میں اس کا استعمال ہوتا رہا ہے۔

قنائدی عالمگیری اسلامی فقہ اور قوانین کے لحاظ سے مراکش، انڈونیشیا، ترکی اور قبرص سے لے کر جنوبی افریقہ کے تمام ملکوں میں ایک مضبوط و مستحکم اور مدلل تصنیف کے برابر اب تک چلا آتا ہے۔ یہ قنائدی مصر اور دوسرے بہت سے عرب ملکوں میں اب تک کئی بار شائع ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ دنیا کی ان تمام زبانوں میں بھی مثلاً فرانسیسی، انگریزی، جرمنی، عربی اور فارسی وغیرہ جن میں قوانین اسلامی پر کتابیں لکھی گئی ہیں قنائدی عالمگیری کے جابجا حوالے مل جاتے ہیں۔ یہ اس کتاب کی مقبولیت کی ایسی دلیل ہے جسے کبھی رد نہیں کیا جاسکتا۔

برطانوی ہند میں عدل و انصاف کا وہ طریقہ یکسر بدل دیا گیا جو اسلامی ہند

کے زمانے میں راج چلا آتا تھا سلاطین ہند بشمول سلاطین مغلیہ کے زمانے میں عدل و انصاف کا جو طریقہ ہندوستان میں رواج پذیر تھا وہ اسلامی تعلیمات کے عین مطابق تھا مگر جب مغلوں کی بساط سلطنت الٹ گئی اور ہندوستان کے دروہام پر حکومت برطانیہ کا جھنڈا لہرانے لگا تو اس وقت سے انگریزوں نے اسلام کے اُن عدالتی قوانین کو جو عدالت کے ضابطوں اور اس کی کارروائیوں میں استعمال ہوتے تھے، بالکل بدل ڈالا۔ ذاتی اور خاندانی تنازعات کی حد تک اسلام کے جو قوانین انگریزوں نے قائم بھی رکھے تو وہ اس شکل میں کہ ان پر انگریزوں کے اپنے رجحانات، نظریات اور خیالات کا رنگ غالب رہا۔

اب اس وقت ہمارے ملک پاکستان میں اسلام کا نظام مکمل طور پر لانے کے لیے اُن قوانین کی چھان بھٹک ہو رہی ہے جو برطانوی ہند کے زمانے سے ملے ہیں۔ اگر اس سلسلے میں فتاویٰ عالمگیری کو نگاہ سے رکھ لیا جائے تو اس سے اسلامی قوانین کے سلسلے میں ہمیں بڑی مدد مل سکتی ہے۔ اور قوانین کو اسلامی تعلیمات کے مطابق لانے کا مشکل کام بہت آسان ہو جائے گا۔

اصلاحات

مفتی انتظام اللہ شہابی لکھتے ہیں :-

جب عالمگیر کا اکبر سے زیادہ تمام ہندوستان پر کامل تسلط ہو گیا۔ سلطنت نہایت عروج پر تھی۔ مشرق میں تمام بنگال مع گرد و نواح کے داخل عداوتی تھا اور مغرب میں پنجاب اور افغانستان کے علاوہ کشمیر

کے اس پار چھوٹا تبت تک شامل ہند تھا۔

محکمہ احتساب بسر کردگی بلا عیوض وجہ اور شجنا میاں گوپاموی محتسب
 اُجین وغیرہ قائم کیا گیا۔ مسکرات کا استعمال موقوف ہوا اور اس کی آمدنی ناجائز
 قرار دی گئی۔ شرعی دس ممالک محروسہ میں شامل کیئے گئے۔ پرچہ نویسی کا باضابطہ
 اعلیٰ پیمانہ پر انتظام کیا گیا۔ رقص و سرود خلاف شرع رسوم وغیرہ قطعاً بند کر دی
 گئیں۔ راستہ اور سڑکیں محفوظ کی گئیں کہ رہزن مسافروں کو پریشان نہ کر سکیں۔
 ایک لاکھ چالیس ہزار روپیہ محتاجوں کو مقرر کیا۔ ہجڑا بنانے کی رسم حکماً بند کی گئی۔
 شیونا تھ کے مندر کاشی میں جو برہمنوں کی غلط کاری کا مرکز بنائے گئے تھے وہ منہدم
 کیئے گئے۔ اس کے بعد عالمگیر نے اپنے میر منشی رائے چند رجھان کی سفارش سے بعد
 حکم دینے انہدام مندر بنارس کے یہ فرمان جاری کیا کہ ہم اپنا حکم منسوخ کرتے ہیں
 کہ آئندہ کے لئے ممالغت ہے کہ کوئی بت خانہ توڑ کر بجائے اس کے مسجد تعمیر
 نہ ہو۔

بنارس کے مندر کے پجاریوں کے متعلق فرمان اورنگ زیب :

فرمان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مشور لایع النور اورنگ شاہ بہادر غازی۔

محمد اورنگ زیب شاہ بہادر غازی ابن صاحبقران ثانی۔

لَا تُقِ الْعُنَايَةُ وَالرَّحْمَةُ الْوَالِحُسْنُ بِالْبَقَاتِ شَالَانِ اُمِيد وار بودہ بداند کہ چون

بمقتضائے مراحم ذاتی و مکارم جبلی ہست والا نہمت و تمامی ست حق طوبت مبار
 رفاہیت جبہورانام و انتظام احوال طبقات خواص و عوام مصروفیت و از روئے
 شرع شریف و ملت ضعیف مقررہ چنین است کہ دیدہ و برہن برانداخت نشود
 و تیکدہ ہا تازہ بنایابد و دریں ایام معدلت انتظام بعرض اشرف اقدس ارفع اعلیٰ
 رسید کہ بعض مردم از راہ عطف و تعدی بہ ہنود سکنتہ قصبہ بنارس و برخے اکنتہ دیگر کہ
 لواحق آں واقصیت و جماعتہ برہمنان سد نہ آں محال کہ سد انت بت خانہ ہائے
 قدیم کہ آنجا بانہا تعلق دارد مراحم و مقررین می شوند و می خواہند کہ انہا را از سد انت
 آں کہ از مدت مدید بانہا متعلق است باز دارند و این معنی باعث پریشانی و
 تفرقہ حال این گروہ می گیرد و لہذا حکم و الاصدار شود کہ بعد از دورے این منشور لامع
 النور مقرر کنند کہ من بعد احدے بے حساب تعرض و تشویش باحوال برہمنان و دیگر
 ہنود متوطنہ آں محال نہ رساند تا آنہا بدستور ایام بیش بجا و مقام خود بودہ جمعیت
 خاطر بدعار بقائے دولت خدا داد بدلت ازل بنیاد قیام نمایند۔ دریں
 باب تاریخ دارند بتاریخ ۱۵ شہر جمادی الثانیہ ۱۲۹۹ ھ۔

مقاد منشور

ابو الحسن کو جو نوازشات و عنایات کا مستحق ہے ہماری شائمانہ التفات
 کے امیدوار کو جاننا چاہیے کہ اپنے مراحم ذاتی اور مکارم جبلی کے اقتضا سے ما
 بدولت و اقبال کے سبب سے بڑی مصروفیت یہی ہے کہ خلق آسودہ رہے اور
 رعایا کے چھوٹے بڑے سب طبقوں کی حالت درست رہے۔ یہ بھی واضح
 ہو کہ شریعت عزاکے مقدس قانون کے لحاظ سے اگرچہ نئے تیکدوں کی تعمیر کی

اجازت نہیں دی جاسکتی لیکن جو پرانے مندر ہیں وہ ڈھائے بھی نہیں جاسکتے
 ان آیام عدالت انتظام میں یہ خبر ہمارے گوش زد ہوتی ہے کہ بعض عمال ازراہ جبر و
 تعدی قصبہ بنارس اور اس کے نواح کے بعض دوسرے مقامات کے ہندوؤں
 اور اس علاقے کے برہمنوں پر جو دہاں کے قدیم بت خانوں کے پرست ہیں
 تشدد کر رہے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ ان برہمنوں کو ان کی پرستہتی سے الگ
 کر دیں جس کا نتیجہ بجز اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ یہ بیچارے پریشان ہوں
 اور مصیبت میں مبتلا ہو جائیں۔ لہذا تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ اس منشور لامع
 انور کے پہنچتے ہی ایسا انتظام کرو کہ کوئی شخص تمہارے علاقے کے برہمنوں
 اور دوسرے ہندوؤں کے ساتھ کسی قسم کا تعرض نہ کرے اور ان کی تشویش کا
 باعث نہ ہو تاکہ یہ جماعت بدستور سابق اپنی اپنی جگہ اور اپنے اپنے منصبوں
 پر قائم رہ کر اطمینان قلب کے ساتھ ہماری دولت خدا داد ابد مدت و ازل بنیاد
 کے حق میں مشغول و غار ہیں۔ اس باب میں تاکید مزید کی جاتی ہے۔

معافی | تیس لاکھ روپیہ سالانہ کا زائد محصول معاف کیا گیا۔

وسعت سلطنت | کراچی بندرگاہ سے لے کر آسام کی مشرقی حدود،
 کوہ ہمالیہ سے لیکر بحر ہند کی سطح تک سلطنت کی
 وسعت پہنچ گئی تھی۔ عالمگیر کے عہد میں صوبجات ہند کا رقبہ برطانیہ
 کے رقبہ کے مساوی تھا۔

محاصل | ۱۶۹۵ء میں کل ماگنڈار می اسی کر وڑ روپیہ تھی۔

صنعت و حرفت | صنعت و حرفت و تجارت کو بھی فروغ دیا تھا صرف
ایک پارچہ بانی کو اس قدر ترقی تھی کہ تمام ہندوستان
کے لیے کافی ہونے کے بعد محالک غیر کو بھی جاتا تھا۔

ہندوستان کی تجارت کا مقابلہ یورپ کے بڑے بڑے ملک بھی نہیں کر
سکتے تھے۔ اسی تجارت و ممال کی درآمد و برآمد کا یہ نتیجہ تھا کہ صرف ایک شہر
سورت میں جنگی کی آمد فی تیرہ لاکھ روپیہ سالانہ ہوتی تھی۔ اور احمد آباد میں
ایک کروڑ تیس لاکھ روپیہ سالانہ جنگی کی آمد فی تھی۔ سورت کے ایک تاجر عبدالغفور
نامی جس کا سرمایہ تجارتی ایسٹ انڈیا کمپنی کے برابر تھا۔

معافی محصول | عالمگیر نے محصول راہداری کا تمام غلوں سے حاصل
کل اجناس افادہ عام کے واسطے دوامی معاف
کر دیا تھا۔

پیمائش | اکبر کے عہد میں جو آراغیات پیمائش ہونے سے بچ
رہی تھیں اس کی پیمائش کرائی۔ خلدی خاں لکھتا ہے
کہ ۹۶۷ھ سے بیس برس کے زائد میں محالک دکن کی پیمائش ختم ہوئی اور
اس کی جمع بندی اکبری اصول پر مقرر کی گئی۔

ٹیکس | خانہ جنگیوں سے خزانہ خالی ہو گیا تھا۔ محاصل برباد ہو
گئے تھے۔ سلطنت کے کاروبار چلانے کے لیے
وقت تھی۔ اور رنگ زیب نے جہاں تک ہو سکا کوشش کی مگر
آخر مجبور ہو کر ہندو مسلمان دونوں پر ٹیکس جاری کر کے مسلمانوں سے

نکوۃ اور ہندوؤں سے جزیہ وصول کیا۔ یہ عام ٹیکس جو آج کل کے ٹیکسوں کے مقابلے میں آٹے میں نمک کی حیثیت رکھتے تھے، صرف مالی مشکلات میں بھینس کر بادشاہ نے عائد کئے تھے۔

مذہبی رواداری | عہد عالمگیری کی مذہبی رواداری کا ذکر کپتان مہملٹن اپنے سفر نامے میں شہر ٹھٹھہ کے حالات کے بیان میں لکھتا ہے۔
 ”ریاست کا مسلم مذہب اسلام ہے لیکن تعداد میں اگر دس ہندو ہیں، تو ایک مسلمان ہے۔ ہندوؤں کے ساتھ مذہبی رواداری پورے طور سے برتی جاتی ہے وہ اپنے بت رکھتے ہیں اور تہواروں کو اسی طرح کرتے ہیں جیسے کہ اگلے زمانے میں کرتے تھے جبکہ خود بادشاہت ہندوؤں کی تھی۔ وہ اپنے مردوں کو جلاتے ہیں، لیکن ان کی بیویوں کو اجازت نہیں ہے کہ شوہروں کے ساتھ سستی ہوں۔“

بے تعصبی | ہندو اور عیسائی ہندوستان میں امن و آزادی سے زندگی بسر کرتے تھے اور اپنے مذہبی رسوم ادا کرنے کی کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ حتیٰ کہ شراب خوری وغیرہ صرف مسلمانوں کے لیے ممنوع تھی۔ اوروں کے لیے منع نہ تھی۔ عیسائیوں کے معبد دارالخلافہ میں تھے اور بے روک ٹوک مذہبی فرائض ادا کرتے تھے۔ ہندو اپنے مندروں میں چاہے جو کریں کوئی پرستش نہ کی جاتی تھی ان کے توہمات اور دسائس میں مطلق دخل اندازی نہ کی جاتی تھی۔“

اوزنگ زیب عالمگیر کی سیرت و کردار

مفتی انتظام اللہ شہابی کہتے ہیں سلطنتِ مغلیہ کا قدیم سے دستور تھا کہ جب کوئی بادشاہ تخت پر بیٹھا تو سب شعرائے پایہ تخت اس کا سکہ کہہ کر لاتے جس کا پسند ہوتا۔ اسے ایک لاکھ روپیہ انعام ملتا۔ عالم گیر کسیے بھی سکہ کہہ کر لائے۔ عالم گیر نے فرمایا ہم نے بھی سکہ کہا ہے۔ تم سب دیکھو اور اپنی رائے قائم کرو۔

سکہ زد در جہاں چو بدر منیر

شاہ اوزنگ زیب عالم گیر

سب کو متفق الالفاظ اقرار کرنا پڑا کہ حقیقت میں اس سے بہتر دوسرا

سکہ نہیں ہو سکتا۔

عالم گیر کی ابتدائی زندگی سے ہی طبیعت میں پارسائی اور اتقا تھا۔ خوفِ خدا رکھتے تھے۔ اولاد اور افسرانِ ملک کو خوفِ الہی سے ڈراتے رہتے تھے۔ اور ہر قسم کے لہو و لعب سے قدرتی تنفر تھا۔ حالات اور اسباب کے لحاظ سے جس کامیابی کے ساتھ سلطنت کی وہ تاریخ ہند میں بے نظیر ہے۔ شہسوار، تیراندازی، نیزہ بازی، نشانہ بازی، شکار وغیرہ غرض کہ تمام فنونِ حرب میں غایت درجہ کے چہت چالاک اور ہوشیار تھے۔ فیروں کا دوست، ریاکاروں کا دشمن، علماء کا قدردان، غریب و مساکین کے لیے برسرِ عدالت قدمی اپنے پاس رکھتے اور دیتے تھے۔ نرمی اور عفو کا مادہ حد سے زیادہ تھا۔ لوگوں نے اکثر ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا مگر ان

کو معاف کر دیا اور روزینہ مقرر کیا۔ سزائے موت کا ناذ ہی حکم دیا کرتے تھے۔ اپنے آپ کو رعایا اور ملک کا محافظ اور سلطنت کا امین سمجھتے تھے۔ ڈاکٹر برنیئر اپنے سفر نامہ میں عالمگیر کی مستعدی اور بیدار مغزی کا واقعہ لکھتا ہے۔

ایک امیر نے عرض کیا کہ حضور جو کام میں اس قدر مصروف رہتے ہیں اس سے اندیشہ ہے مبادا صحت جسمانی بلکہ قولے دماغی کے اعتدال اور طاقت کو کچھ نقصان پہنچے۔ بادشاہ نے ناصح کی طرف سے منہ پھیر لیا اور دوسرے امراء کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ خدا نے مجھے بادشاہت اپنی مخلوق کی خدمت کے لیے دی ہے کہ میں رعایا کی آرام و آسائش کا کافی لحاظ رکھوں۔ اپنی راحت سے زیادہ ان کی راحت کا خیال کروں نہ کہ فضول صلاح کاروں کی رائے پر کاربند ہوں۔ عوام کے ساتھ منصفانہ برتاؤ تھا۔ مگر وہ مخالفوں کے حق میں بہت ہی سخت تھا۔

دار الخلافت دہلی بقول ڈاکٹر ہنٹر اپنی عظمت و شان میں روئے زمین کے دار الخلافتوں سے عہد عالمگیری میں گوئے سبقت لے گیا تھا۔ کہا جاتا ہے اس کی بیس لاکھ کے قریب آبادی ہو گئی تھی۔

عالمگیر آخر عمر میں دکن کے ملکوں کا انتظام کر رہا تھا۔ بڑھاپے کے سبب بیمار ہوا بعد ۹ سال ۱۳ دن بروز جمعہ ۲۸ ذی قعدہ ۱۱۸۵ھ کو وفات ہوئی۔ دولت آباد کے قریب شیخ برہان الدین اور شاہ زری زنجش کے مزاروں کے درمیان دفن کئے گئے۔ پچاس سال دو ماہ ساٹھ روز سلطنت کی تاریخ وفات ”دخل الجنة“ ہے۔



عہدِ عالمگیری کے علما و شعرا

مفسرین | شیخ غلام نقشبندی متوفی ۱۱۲۶ھ۔ ملا شیخ احمد جیون اٹیٹھوی
متوفی ۱۱۳۸ھ۔ مولانا نور الدین متوفی ۱۱۵۵ھ۔ اصغر قنوجی
متوفی ۱۱۴۰ھ۔

محدثین | شیخ نور الحق بن شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۷۳ھ۔ حاجی صبغت اللہ
نسیرہ شیخ اللہ دیر الرحمنوی خیر آبادی متوفی ۱۱۵۶ھ۔

فقہا | افضل المعال ملا وجیہ الدین مفتی شیخ عیسیٰ محدث شہابی گویا موی اتالیق
شاہزادہ دارا شکوہ و صدر صوبہ اودھ و الہ آباد و منصب دار سر نہراوی
مؤلف ربع حصہ فتاویٰ عالمگیری شاہی ۵ جمادی الثانی ۱۰۸۳ھ کو وفات ہوئی۔ ملا
شیخ نظام برہان پوری۔ ملا لطیف سلطان پوری۔ ملا عبد الغفور برہان پوری۔

قاضی | قاضی عبد الوہاب متوفی ۱۰۸۷ھ۔ قاضی شیخ الاسلام قاضی صدر الدین
ہرگامی۔ قاضی محمد حسین جون پوری۔ قاضی شہاب الدین گویا موی متوفی ۱۱۲۰ھ۔

مفتی | قاضی احمد بہاری مفتی عسکر شاہی۔ مفتی عبد اللہ شہابی گویا موی متوفی
۱۰۷۵ھ۔ مفتی علم اللہ گویا موی متوفی ۱۱۰۳ھ۔

حکماء | قاضی محب اللہ بہاری، ملا محمود فاروقی جونپوری متوفی ۱۰۶۲ھ۔

علماء | ملا عبد الرشید۔ ملا زاہد کابلی محمد اسلم ہرادی۔ شیخ عبد العزیز اکبر آبادی
ملا عبد اللہ رومی مترجم فتاویٰ عالمگیری، ملا عبد اللہ سیالکوٹی۔

شیخ عبدالباقی جو پوری شیخ قطب برہان پوری اتالیق شاہزادہ محمد اعظم محمد اکرم لاہوری اتالیق شاہزادہ محمد کام بخش قاری حافظ ابراہیم۔

عبدالمجید۔ عاقل خاں رازی۔ محمد ساقی مستعد خاں۔ مرزا محمد کاظم متوفی ۱۲۱۰ھ نعمت خاں عالی متوفی ۱۲۱۰ھ بختاورد خاں متوفی ۱۰۹۵ھ

مورخین

آشنا۔ ناظم ہروی۔ بیدل۔ ماہر اکبر آبادی۔ انصاری۔ اعجاز اکبر آبادی۔ سعید مفتی ابوسعید گوپاموی متوفی ۱۱۴۰ھ۔ ضمیر۔ طاہر۔ خالص اشرف مارند رانی۔ رازی خونی۔ ملا طغرائے مشہدی۔ پنڈت چندر بھان برہمن اکبر آبادی متوفی ۱۱۳۰ھ مرزا محمد رفیع قزوینی۔

شعرا

عالم گیر کے عہد کی علمی و تعلیمی ترقیاں عالم گیر کے عہد کی علمی و تعلیمی ترقیاں برصغیر پاک و ہند میں یہاں کے بادشاہوں میں

عالم گیر کے عہد کی تعلیمی ترقیاں

سب سے بڑھ کر تھیں۔ مرکزی شہروں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے شہروں اور قصبات اور شرفا بستیوں میں بھی تعلیم پھیلانے کے لیے منجانب حکومت اور امراء مدرسے قائم کئے گئے۔ یہ مدارس علماء کے مدرسوں کے علاوہ تھے۔ طالب علموں کے لیے وظیفے جاری تھے۔ ذاتی مدرسے جن علماء کے تھے ان کو اور سرکاری مدارس کے مدرسین کو معیشت کی طرف سے فارغ البال کیا۔ جاگیریں عطا کیں۔ چنانچہ مفتی عبید اللہ گوپاموی جو شیخ علیسی کے مدرسہ کے صدر مدرس اور ملا وجیہ الدین گوپاموی مؤلف تادوی عالمگیری کے بھائی تھے کو زمین داری عطا کی۔ غرضیکہ ہر صوبہ اور شہر و قصبہ میں تعلیم کی اشاعت عام ہو گئی۔

عالم گیر کے عہد میں دونوں قسم کے مدرسے قائم تھے۔ شاہی مدرسے جن کے پورے

مصارف حکومت کی طرف سے ادا ہوتے تھے اور جن کا انتظام و انصرام بھی حکومت کے متعلق تھا دوسرے وہ مدرسے جو ارباب بخیر اور علمائے دین خود اپنی طرف سے جاری کرتے تھے۔ عالمگیر نے پہلی قسم کے مدرسوں کے لیے ہر صوبہ میں یہ انتظام کر دیا تھا کہ مدرسین اور طالب علموں کی تنخواہیں اور وظیفے اسی صوبے کے خزانے سے ادا کئے جائیں اور صوبہ دار مدرسین سے تنخواہوں کی وصولی کا سیاہہ حاصل کر کے خزانہ میں داخل کر لیا کرے۔ اور غیر سرکاری مدرسوں کو وقتاً فوقتاً شاہی خزانہ سے امداد دیا کرتا تھا۔ اسی طرح غیر سرکاری مدرسوں کی امداد ملاحظہ ہو جو بادشاہ وقتاً فوقتاً کرتا رہتا تھا۔ ایک موقع پر مدرسہ سیف خاں کو ۱۵۸۰ روپے بھجینے کا ذکر آیا ہے اسی طرح مدرسہ ہدایت بخش و مسجد تعمیر کردہ شیخ محمد اکرام الدین کی تعمیر و تجدید و اصلاح کے لیے اس نے ایک لاکھ چوبیس ہزار روپے منظور کئے۔ اسی طرح موضع سوندہ پرگنہ سانولی اور سلیمہ پرگنہ کٹرا کے مدرسوں کے لیے یومیہ مقرر کیا تھا۔

عالمگیر کے دور حکومت سے پہلے ابتدائی مکاتب میں ہندو اور مسلمان طلبہ یکجا تعلیم حاصل کرتے تھے اور مکتبوں میں غیر مذہبی تعلیم ہوتی تھی۔ یہاں سے فارغ ہو کر مذہبی مدرسوں میں چلے جاتے تھے اور ہندو طلبہ اپنے مذہبی مدرسوں میں جاتے تھے۔ شاستر کے علاوہ طب اور نجوم وغیرہ کی بھی تعلیم دی جاتی تھی۔ ہندوؤں کے مدارس عالمگیر کے زمانہ میں بھی قائم رہے اور ان کا اہم مرکز بنارس تھا۔

دلی کا سرچشمہ علم و عرفان جس کے فیوض و برکات سے سارے ہندوستان کی علمی تشنہ کامی دور ہوئی وہ عالمگیر ہی کے عہد میں قائم ہوا۔ حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب دہلوی ابن شیخ وجیہ الدین شہید نے جو ۱۵۴۷ء میں پیدا ہوئے اپنے بھائی شیخ ابوالرضا

اور علامہ میرزا ہد ہر وی نے علوم معقول کی تحصیل کی فتاویٰ عالم گیری کی ترتیب میں
 شریک رہے عہد اورنگ زیب میں مدرسہ رحیمیہ قائم کیا۔ خود درس دیتے تھے
 میر محمد زاہد ابن اسلم ہر وی جنھوں نے مرزا فاضل سے تلمذ کیا۔ مرزا فاضل نے ملا
 یوسف سے اور انھوں نے مرزا شیخ جان انجہ سے، انھوں نے اپنے والد اسعد سے
 وہ علامہ نقازانی اور علامہ ملا شریف جرجانی کے شاگرد تھے۔

حدیث حاجی محمد افضل سے جو اس سلسلہ میں شیخ عبدالاحد کے تلامذہ تھے
 انہوں نے اپنے والد شیخ محمد سعید سے جن کو اپنے دادا شیخ احمد سرمنہی سے تلمذ تھا۔
 علا زاہد ابن اسلم ہر وی کا درس آگرہ میں تھا۔ ان کے علاوہ شیخ احمد المعروف ملا جیون
 سید قطب الدین۔ مبارک بلگرامی اور محمد افضل الہ آبادی کی درسگاہیں بھی تھیں۔

غیر مسلموں اور گنزیب کا طرز عمل

چند واقعات

اخبار کشمیر لاہور ۱۹۲۹ء کی اشاعت کے مطابق راجا برج نرائن ریس پڈر ونہہ صوبہ یوپی نے لکھنؤ میں کشتری جلسے میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔ میرے باپ دادا مغلوں کے زمانے میں توپ خانے کے افسر رہ چکے ہیں جن کا دو ہزاری سے پنج ہزاری تک منصب تھا۔ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے میرے بزرگوں رائے امر ناتھ اور رائے جی کو حسن خدمات کے صلے میں تینتیس گاؤں عطا کئے اور ایک چھوٹی سی ریاست کا راجا بنا دیا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس ریاست میں برابر ترقی ہوتی رہی حتیٰ کہ ڈھائی لاکھ کشتری ویر ہمارے ساتھ ہو گئے ہمارے رفتے داروں اور کشتری کماروں کو حد و بعض کے باعث ہماری دن پر دن بڑھتی ہوئی طاقت اور ترقی کا نٹے کی طرح جھمنے لگی۔ انہوں نے ہمارے اور شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے درمیان کچھ غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کی مگر اورنگ زیب کے آخری عہد تک ہمارے خاندان کے تعلقات مغلہ حکومت کے ساتھ بدستور قائم رہے۔ (اخبار کشمیر لاہور۔ مارچ ۱۹۲۹ء)

جب اورنگ زیب عالمگیر کو یہ اطلاع پہنچی کہ بنارس کے بعض حکام یہاں کے برہمنوں کو ڈراتے دھمکاتے اور ستاتے رہتے ہیں تو شہنشاہ نے بنارس

کے گورنر ابوالحسن کے نام فوراً ایک فرمان بھیجا جس میں سختی سے یہ کہا کہ ہماری شریعت محمدی میں یہ حکم آتا ہے کہ پُرانے مندر ہرگز نہ ڈھائے جائیں۔ اور ان کے بجاریوں پر ہرگز سختی نہ کی جائے۔ ہم نے سنا ہے کہ بنارس کے بعض حکام یہاں کے عوام کو بہت ستاتے اور ان پر جبر و تشدد کر رہے ہیں لہذا یہ حکم دیا جاتا ہے کہ کوئی شخص کسی برہمن یا ہندو پر نہ جبر و تشدد کرے نہ کوئی بوجھ ڈالے۔ (مقبول سٹی مضمفہ زخمین میں۔ بی اے ایل ایل بی) جو دھپور کے راجا جنونت کا اورنگ زیب عالمگیر کی فوج سے بار بار مقابلہ ہوا اور اس نے ہر بار شکست کھا کر شہنشاہ سے معافی چاہی اور نیک دل شہنشاہ نے اسے ہر بار معاف کر دیا۔ جب اسی طرح سے چند مرتبہ بھی عمل ہوتا رہا تو اورنگ زیب عالمگیر نے نہ صرف اس کا ملک اسے بحال کر دیا بلکہ اسے ہفت ہزاری منصب بھی عطا کر دیا اور صوبہ گجرات کا گورنر بنا دیا۔

اس واقعہ کا قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ شہنشاہ نے یہ اقدام تالیف قلب کے لئے کیا تھا چنانچہ جب جنونت وفات پا گیا تو اس کے بیٹے اہیت سنگھ کو بھی یہی تمام مناصب تفویض کر دیئے گئے۔

ایک مرتبہ کسی مسلمان نے اورنگ زیب عالمگیر کے حضور میں ایک درخواست پیش کی جس میں اس نے دعا کی گئی تھی کہ شاہی ملازمین کو تنخواہ تقسیم کرنے پر دو ہندو افراد مقرر کئے گئے ہیں وہ مناسب نہیں ان کی جگہ مسلمانوں کا تقرر ہونا چاہیئے اورنگ زیب عالمگیر نے درخواست کے جواب میں کہا۔ سلطنت کے کاموں میں مذہب اور تعصب کو دخل نہیں دینا چاہیئے۔ اور ایسا کیا جائے تو پھر غیر مسلموں کا ٹھکانہ کہاں ہوگا وہ کہاں جائیں گے۔ بات یہ ہے کہ سرکاری ملازمت صرف لیاقت اور قابلیت کی بنیاد پر دی جاتی ہے۔

کلا نوہ کے آس پاس ایک گاؤں واقع ہے جس کا نام دیپال والی ہے وہاں ایک بزرگ شاہ شمس الدین اور یانی رہا کرتے تھے جو بڑے ولی اللہ تھے۔ ہندو اور مسلمان سبھی ان کے معتقد اور مرید تھے۔ دیپال والی کا ایک ہندو آپ سے بڑی عقیدت رکھتا اور خدمت میں ہمہ تن اور ہمہ وقت موجود رہتا تھا۔ جب شاہ صاحب انتقال کر گئے تو دیپال والی کے ہندوؤں اور مسلمانوں نے متفقہ طور پر اسی ہندو باسی کو شاہ صاحب کے مزار کا مجاور بنا دیا۔

شاہ صاحب کے مزار پر ہندو اور مسلمان سبھی لوگ بکثرت آتے جاتے اور نذر و نیاز لاتے تھے۔ اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں مسلمانوں نے اس کے خلاف دعویٰ کر دیا۔ اور مطالبہ کر دیا کہ اس مزار کا مجاور کوئی مسلمان ہونا چاہیئے۔ مگر اورنگ زیب عالمگیر نے اس مطالبے کو مسترد کرتے ہوئے ہندو ہی کو بدستور قائم رکھا۔ (خلاصۃ التواریخ سبحان رائے بٹالوی)

ملتان میں تو تلالی کے نام سے ایک مشہور و معروف مندر تھا جس کے لئے اورنگ زیب عالمگیر نے ایک سو روپیہ سالانہ کی جاگیر مقرر کی جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانے تک برابر جاری رہی۔ اس طرح ایک اور گاؤں مصر کہ ضلع بیتا پور کے مندر کو بھی کئی گاؤں جاگیر میں دیئے۔ مستہرا کے قریب بلد یو جی کا مندر ہے اسے بھی کئی گاؤں جاگیر میں دیئے۔ دہرہ دون کے گوردوارے کو بھی جاگیر دی۔ اورنگ زیب عالمگیر نے محض قابلیت اور صلاحیت کی بنیاد پر مذہب و ملت

کے امتیاز اور تمیز کے بغیر راجا رتن سنگھ کے بڑے بیٹے کو مالوہ کی ریاست (سنیٹ) عطا کی۔ رائے سنگھ راہور اور گناتھ کو راجا کا خطاب۔ خلعت اور ایک لاکھ روپیہ نقد اور جواہرات عطا کئے۔ سبھا جی کو جو سیوا جی کا بیٹا تھا۔ ایک بلند منصب عطا کیا۔ راجا جسونت سنگھ۔ راجا جے سنگھ۔ کنور لعل سنگھ۔

راگھوجی اور لشن سنگھ وغیرہ غیر مسلموں کو مغلیہ افواج کے جنرل کرنل اور صوبیدار بنادیا۔

یہاں یہ بات بھی خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ اورنگزیب عالمگیر نے ہندوؤں سے محصول جائزہ موقوف کر دیا جو پہلے سے رائج چلا آتا تھا۔ اور اسی قسم کے اور بھی کئی ایک ٹیکس تھے جو اورنگزیب عالمگیر نے عام رعایا کو معاف کر دیئے۔

(واقعات ہند مصنف پروفیسر البشوری پرشاد)

پہاڑی ریاستیں جو مغلیہ حکومت کے ماتحت تھیں۔ آئے دن گرو گوبند سنگھ کے جبر و تشدد کا شکار ہوتی رہتی تھیں۔ سب راجاؤں نے مل کر اورنگزیب عالمگیر سے فریاد کی کہ انہیں گرو گوبند سنگھ کے ظلم و ستم سے محفوظ کیا جائے۔

اورنگزیب عالمگیر نے لاہور کے گورنر نواب زجرت خان اور سر ہند کے گورنر شمس الدین خان کو حکم دیا کہ وہ راجاؤں کی حفاظت اور امداد کریں۔

مغلیہ فوج اور گرو گوبند سنگھ کے لشکر کے درمیان آند پور کے مقام پر محرکہ آرائی ہوئی آخر کار گرو گوبند سنگھ قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا۔ جب مغلیہ فوج نے سات مہینے تک قلعے کا محاصرہ کئے رکھا تو سکھ تنگ آ کر قلعے سے باہر نکلنے لگے۔ گرو نے جب اپنے لشکر کا یہ رنگ دیکھا تو وہ خود بھی دلوں سے نکل بھاگا۔ قاضی پیر محمد غنی خان اور نبی خاں نے فرار ہونے میں گوبند سنگھ کی مدد کی۔

جب مسلسل بھاگتے اور چھپتے رہنے سے گرو گوبند سنگھ تنگ آ گیا تو اس

نے اورنگزیب عالمگیر کی خدمت میں ایک منظوم فارسی درخواست پیش کی اور کہا اب میں جنگ و جدل سے مُنہ موڑتا ہوں اور خدا کی عبادت میں زندگی بسر کرنے کا آرزو مند ہوں مگر مغلیہ فوجیں میری تلاش میں ہیں اور اب میرے لئے کوئی جائے پناہ نہیں۔

اورنگ زیب عالمگیر نے اس درخواست کے جواب میں یہ لکھ کر بھیج دیا۔
 ”اگر آپ واقعی عبادت میں مشغول ہونا چاہتے ہیں تو آپ اطمینان رکھیں۔
 اب آپ سے کوئی مزاحمت نہیں کرے گا۔ آپ کو اختیار ہے جہاں چاہیں رہیں۔
 میں نے تمام حاکموں اور گورنروں کے نام فرمان جاری کر دیا ہے کہ اب وہ آپ
 سے ہرگز مزاحم نہ ہوں۔“

(تاریخ پنجاب مصنفہ رائے بہادر کنہیا لال)
 سیوا جی کا بیٹا سمبھاجی جب قتل ہو گیا تو اُس کے سات برس کے بچے ساہو جی
 کو اورنگ زیب عالمگیر نے اپنی تربیت میں لے لیا۔ اُسے راجا کا خطاب اور
 ہفت ہزاری کا منصب عطا کیا۔ اس کی دیکھ بھال اور خبر گیری کے لئے اسے
 ہمیشہ اپنے پاس اور ساتھ ساتھ رکھتا۔ اس کا خیمہ ہمیشہ اپنے خیمے کے پاس
 لگواتا۔ اورنگ زیب عالمگیر نے ساہو جی کے چھوٹے بھائیوں مدن سنگھ اور
 اودھ سنگھ کو بھی منصب خلعت اور انعام و اکرام سے نوازا۔

جب ساہو جی بالغ ہو گیا تو اورنگ زیب عالمگیر نے اسکی شادی بہادر جی مرہٹہ
 کی بیٹی سے بڑی دھوم دھام سے کی۔ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد جب
 ساہو جی گدی نشین ہوا تو وہ سب سے پہلے اپنے محسن اورنگ زیب عالمگیر کے مزار کی
 زیارت کے لئے گیا اور اورنگ زیب عالمگیر کی روح کو ثواب پہنچانے کے
 لئے وہاں مسکینوں فقیروں اور محتاجوں کو کھانا کھلایا اور ان میں زر نقد بھی تقسیم کیا۔

ہندو قوم

خواجہ حسن نظامی دہلوی اپنے ہفتہ وار منادی دہلی میں لکھتے ہیں۔ ہندو قوم کو معلوم ہے کہ حضور نظام (حیدر آباد دکن) کا ملک ہندوستان کی تمام دیسی ریاستوں سے بڑا ملک ہے گویا وہ ہندوستان میں ایک ایسی سلطنت ہے۔ جو رقبے میں ایران کے برابر ہے اور جرمنی کے ملک اور انگریزوں کے ملک (انگلستان) سے زیادہ ہے۔

اس ملک پر چھ سو سال سے مسلمانوں کی حکومت ہے مگر مسلمان حکومتوں نے کبھی ہندو رعایا کو مسلمان کرنے کی کوشش نہیں کی ورنہ چھ سو برس کے عرصے میں وہاں ایک بھی ہندو باقی نہ رہتا مسلمان ہو جاتے۔ حالانکہ اس وقت حضور نظام کے ملک میں پچاس فیصد ہندو ہیں اور پندرہ فیصد مسلمان ہیں۔ اگر ہندوؤں کو جبراً مسلمان کیا جاتا اور جیسا کہ مسلمان بادشاہوں پر لازم لگایا جاتا ہے۔ یہ بات اگر سچ ہوتی تو آج حضور نظام کی حکومت میں پچاس فیصد ہندو نہ ہوتے۔

دوسری دلیل حضور نظام کی بے تعصبی کی یہ ہے کہ انہوں نے ملک کا وزیر اعظم مہاراجا سرکشن پرشاد کو بنایا ہے۔ جو کھتری نسل سے ہیں اور جن کے بڑے پنجاب سے دکن گئے تھے۔ (حوالے کے لئے دیکھئے ہفتہ وار منادی دہلی ۱۱ نومبر ۱۹۲۷ء)

اسی ایک واقعہ پر قیاس کرتے ہوئے بھی اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کہ متعصب اور متشدد ہندوؤں کے ان دعوؤں میں کہاں تک صداقت ہے۔ کہ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں نے ہندوؤں کو تلوار کے زور سے مسلمان کیا اور یہ کہ اورنگ زیب عالمگیر جب تک ہر سچ ایک من یا سو امن

ہندوؤں اور برہمنوں کے جینیو نہ تڑوالیتا صبح کا کھانا نہیں کھاتا تھا۔ یہ بات صریحاً لغو اور بہتان ہے بغرض محال اگر مان لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک جینیو کے حساب سے جس کا وزن دس رتی ہوتا ہے ایک من جینیو کی نسبت سے ۳۰،۷۲۰ افراد شمار ہوتے ہیں اور سوامن کے حساب سے ۳۸۴۰۰ افراد ہوئے پس اورنگزیب عالمگیر نے جو کامل پچاس برس تک حکومت کی جب دنیا سے گئے تو اپنے پیچھے بچھتر کروڑ ایسے افراد چھوڑ گئے جنہیں تلوار کے زور سے ہندو سے مسلمان بنایا گیا ظاہر ہے کہ بے بنیاد قصہ گھڑنے والے تاریخی بصارت اور علمی بصیرت سے محروم تھے۔ یہ بات سب جانتے ہیں کہ مسلمان اپنے حاکمانہ دور سے محکومانہ زندگی تک ۱۹۴۶ء میں صرف دس کروڑ تھے۔

وصیت کا خلاصہ

اورنگزیب عالمگیر علیہ الرحمہ نے اپنے بیٹے شہزادہ معظم کو اپنی وفات سے پہلے جو وصیت کی وہ یہ تھی۔

- ۱۔ چار روپے دو آنے جو اس عاجز نے ٹوپیاں سی کر کمائے ہیں وہ محل دار کے پاس جمع ہیں۔ یہ رقم اس عاصی کی منزل رسانی (دفن) پر صرف کی جائے۔
- ۲۔ مبلغ تین سو پانچ روپے جو قرآن مجید کی نقول کی اجرت ہے اور میرے پاس موجود ہے، میرے مرنے کے وقت فی سبیل اللہ فقراء میں تقسیم کر دی جائے۔
- ۳۔ جو چیزیں میرے پاس موجود ہیں وہ میرے لواحقین کو دے دی جائیں۔
- منزل رسانی کی رسوم شریعت مصطفوی کے مطابق ادا کی جائیں۔
- ۴۔ اس گنہگار کا سزا ننگا رکھا جائے کیونکہ جو گنہگار خدا کے حضور میں سر برہنہ پیش ہوتا ہے وہ معاف کیا جاتا ہے۔
- ۵۔ یہ بیعتش کو کھدے سے ڈھانپا جائے۔

امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے امام یگانہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خانوادہ عالیہ کے گل سرسبد تھے۔ اورنگ عالمگیر کی وفات ۱۷۰۷ء کے بعد ہندوستان میں جب مسلمانوں کی آخری حکومت یعنی سلطنت منلیہ کا زوال شروع ہوا تو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے سلطنت کو سنبھالا دینے کے لئے کمال حکمت عملی سے کام لے کر اپنا قائدانہ اور مجتہدانہ کردار انجام دیا۔ اگرچہ مسلمانوں کی حکومت سنبھلنے نہ سنبھل سکی تاہم اس سے یہ ضرور ہوا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کا ملکی وجود اور قومی تشخص قائم رہا۔ جو آگے چل کر تحریک پاکستان کی تہید بن گیا۔ اس تفصیل کا اجمال حسبِ بل ہے۔ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات ۱۷۰۷ء بمطابق ۱۷۰۷ء تک منلیہ سلطنت کابل سے دریائے ہنگلی کے دہانے تک اور سورت سے مدراس تک پھیلی ہوئی تھی جزیرہ نمائے دکن کے سوا تمام ہندوستان پر مسلمانوں کی حکومت کا سکہ رواں تھا۔ پورے پچاس برس تک اورنگ زیب عالمگیر نے حکومت کے فرائض انجام دیئے۔

اورنگ نے یب عالمگیر کے بعد جب مسلمانوں کی مذہبی اور سیاسی محاذ آرائی اپنی انتہاء کو پہنچ گئی اور وہ آپس ہی میں لڑنے بھرنے لگے تو اس نا اتفاقی کے باعث مسلمانوں کی حکومت کے خلاف سکھوں، جاٹوں اور مرہٹوں کو سراٹھانے کا کھلا موقع مل گیا حتیٰ کہ عالمگیر کی وفات کے پچاس برس بعد مرہٹوں نے جنوب میں اتنی طاقت پکڑ لی کہ ان کی فوجیں گجرات

سے ہوتی ہوئی دہلی تک جا پہنچیں۔

اگر نظام دکن اپنی حکمت عملی سے مرہٹوں کو دکن میں مشغول نہ رکھتا تو وہ بہت جلد تمام ہندوستان پر قبضہ کر لیتے۔ اب صورت حال یہ تھی کہ ایک طرف مسلمانوں سے مرہٹے الجھے ہوئے تھے دوسری طرف مسلمانوں کی باہمی نا اتفاقی سے حکومت میں جو کمزوری پیدا ہو چکی تھی سکھوں نے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمانوں سے پنجاب چھین لیا۔ تیسری طرف جاٹوں نے اگرے میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ مُغلوں کی سیادت سے آزاد ہو کر اودھ اور بنگال میں نوابوں یعنی مسلمان حکمرانوں کی حکومت کے نئے سلسلے برپے ہو گئے۔ چوتھی طرف یہ کہ انگلستان سے تجارت کے بھیس میں جو انگریز آئے اور انہوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے تجارت کا کام شروع کیا وہ رفتہ رفتہ ہندوستان کی حکومت کے معاملات میں خیل ہو کر حکومت مدراس اور بمبئی کے مالک بن گئے پھر ۱۷۵۷ء میں انہوں نے غداروں کی مدد سے ماکم بنگال نواب سراج الدولہ کو پلاسی کے مقام پر شکست دے کر اپنا تجارتی لباس اتار پھینکا اور اپنے سر پر حکومت کا تاج سہایا اور اب وہ تمام ہندوستان پر بلا شرکت غیرے حکومت کرنے کے خواب دیکھنے لگے۔

اس پر ایک ستم اور ہوا وہ کہ ایران کا بادشاہ نادر شاہ درانی لوٹ مار کی غرض سے دہلی پر ۱۷۳۸ء میں حملہ آور ہوا۔ مُغل بادشاہ محمد شاہ (رنجیلے) کو گرفتار کر کے اُس نے اپنے نام کا خطبہ جاری کر دیا۔ اسی عرصے میں دہلی کے چند لوگوں کی نادر شاہ کی فوج کے ایک چھوٹے سے گروہ کے سپاہیوں سے جھڑپ ہو گئی جس میں چند سپاہی مارے گئے۔ نادر شاہ نے ان کا انتقام لینے کے لئے تین دن تک اہل دہلی کا قتل عام کا حکم دے دیا۔ جس سے مُغلوں کی حکومت کی رہی سہی اُبرو بھی نادر شاہ کے ہاتھوں جاتی رہی۔ سردارانِ حکومت خود سر ہو کر مرکز سے الگ الگ ہوتے چلے گئے اور مرکزی حکومت کی طاقت

کے ختم ہو جانے کے باعث مغلیہ سلطنت پر ہر طرف سے لپجائی ہوئی نگاہیں اٹھنے لگیں۔
دہلی پر نادر شاہ کی یلغار سے جو بڑی تباہ کن بھی مسلمانوں کے خلاف مرہٹے اور
انگریز طاقت پکڑ گئے۔ ۱۷۶۱ء میں جب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے مرہٹوں کے اقتدار کو
تیزی سے اگے بڑھتے دیکھا تو انہوں نے احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان آنے کی دعوت دی جو
نادر شاہ درانی کے قتل کے بعد متفقہ طور پر ایران اور افغانستان کا حکمران بنا۔

پانی پت کے میدان میں جہاں لاکھوں مرہٹے اور دوسرے ہندو ایک جھنڈے کے
نیچے جمع تھے جو آخری معرکہ سر کرنے کو نکلے تھے۔ احمد شاہ ابدالی کی فوج سے معرکہ ہوا۔
وہ ایک فیصلے کن میدان کا رزار تھا جس میں دو لاکھ مرہٹے سپاہی قتل ہوئے اور ان کے
تمام بڑے بڑے جرنیل مارے گئے جس سے مرہٹوں کی کمر ٹوٹ گئی اور وہ پھر کبھی فوجی
طاقت نہ بن سکے۔

اگر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ایسے معروضات میں احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان
آنے کی دعوت نہ دیتے۔ یا مرہٹے اس جنگ میں کامیاب ہو جاتے جو احمد شاہ ابدالی اور
مرہٹوں کے درمیان برپا ہوئی۔ تو دنیا کے نقشے پر پاکستان کبھی نمودار نہ ہوتا۔ اس سلسلے
میں جہاں ایک طرف احمد شاہ ابدالی پاک و ہند کے مسلمانوں کا ایک عظیم محسن ہے وہاں دوسری
طرف شاہ ولی اللہ محدث بھی مسلمانوں کے عظیم رہنما اور محسن ہیں جن کی کوششوں سے
غیر منقسم ہندوستان کے مسلمانوں کا ملی وجود اور جداگانہ تشخص برابر قائم رہا حتیٰ کہ اسی بنیاد پر
پاکستان کا قیام عمل میں آگیا جو اسلامی ہندوستان بن کا نیا نام ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے باب میں اتنا کہنا بس کافی ہے کہ اگرچہ وہ مسلمانوں کی
حکومت کے ہندوستان کو غیروں کے تسلط سے نہ بچا سکے اور اس تبدیلی کو روکنے سے قاصر ہے
جو شاہ صاحب کی وفات کے بعد برطانوی ہند کی صورت میں سامنے آئی تاہم ان کا یہ

بہت بڑا کا زامہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کو سکھوں۔ جاٹوں اور مرہٹوں کے ناپاک عزائم سے بچالیا اور اپنی حکمت عملی اور انقلابی تحریک سے مسلمانوں کو اس لائق بنایا کہ وہ اپنے جداگانہ ملی وجود اور قومی تشخص کو قائم و دائم رکھ سکیں۔

سُنی شیعہ سوال یعنی مذہبی تفریق بازی اور منافرت جو مغلیہ عہد حکومت خاص کر اورنگ زیب عالمگیر کے بڑے بیٹے محمد معظم بہادر شاہ کے دور سے پہلے ہندوستان کے مسلمانوں میں کبھی پیدا نہیں ہوئی۔ شاہ صاحب کے نزدیک ہندوستان کے مسلمانوں کی تباہی و بربادی کی علامت تھی اور انہوں نے مسلمانوں کو اس سے بچنے کی ہمیشہ تلقین فرمائی مگر افسوس تفریق اور نفرت کی یہ خلیج مسلمانوں کے درمیان حائل ہو کر دن پر دن برابر بڑھتی چلی گئی۔

اس تفصیل کا اجمال یہ ہے کہ تمام شاہان مغلیہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ رکھتے تھے۔ اورنگ زیب عالمگیر کا بھی یہی عقیدہ تھا لیکن اُن کے بڑے بیٹے محمد معظم بہادر شاہ شیعہ عقیدہ اختیار کر کے اپنے عہد حکومت میں جب شیعہ طریق لَدَالِہِ الْاَحِلَّہِ مُحَمَّدُ رَسُوْلُ اللّٰہِ عَلٰی وِلٰی اَحِلَّہِ وَحٰی رَسُوْلُ اَحِلَّہِ خَلِیْفَۃً بِلَا فَصَل کو رائج کرنا چاہا اور اس سلسلے میں اپنے بیٹے عظیم الشان کو حکم دیا کہ وہ شیعہ خطیب کو اپنے ساتھ لے کر جائے تاکہ وہ جمعہ کا خطبہ اُسکی منشاء کے مطابق پڑھے چنانچہ خطیب نے جو نہی نیا خطبہ پڑھنا شروع کیا لوگ اس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُسے منبر پر ہی قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد مباحثے اور مناظرے ہونے لگے۔ اور منقول طور سے شیعہ و سُنی کا سوال قائم ہو گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو تباہی و بربادی نے چاروں طرف سے آکر گھیر لیا۔

ہندوستان میں مسلمانوں کو فرقہ واریت کی طرف لانے کا ذمہ دار یقیناً محمد معظم

بہادر شاہ ہے اس کے بعد سے آج تک یہ سلسلہ برابر قائم چلا آرہا ہے۔ مگر عصر حاضر کے تقاضے یہ ہیں کہ فرقہ واریت کے تمام راستوں کو بند کر کے مسلمانوں کو ایک مرکز پر جمع کیا جائے۔ نسلی۔ لسانی اور صوبائی تعصبات کو ختم کر کے اب انہیں قومی وحدت اور ملی یگانگت کی تعلیم دی جائے تاکہ پاکستان جو اسلامی ہندوستان ہی کا دوسرا نام ہے مضبوط سے مضبوط تر اور مستحکم ہوتا چلا جائے۔

۔۔۔ ایں دعا از من و جملہ جہاں آئیں باد۔۔۔

اورنگزیب عالمگیر کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید

اورنگزیب عالمگیر کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید نوٹو عکس کے ذریعے پہلی بار خواجہ حسن نظامی دہلوی نے جنوری ۱۹۲۸ء میں شائع کیا۔ خواجہ صاحب لکھتے ہیں۔

یہ تمام قرآن مجید غازی اورنگزیب عالمگیر کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ آخر میں غازی اورنگزیب کے دستخط اور تاریخ بھی ہے جس کا خط قرآن مجید کے خط سے بالکل مطابقت رکھتا ہے اور یہ قرآن مجید ریاست مانگڑول کا ٹھیا وار کے شاہی کتب خانے میں موجود ہے جس کا عکس لیا گیا ہے۔

(ہفتہ وار منادی دہلی ۱۱ نومبر ۱۹۲۷ء۔ خواجہ حسن نظامی دہلوی)



اختتامیہ

اجمال سلطنت مغلیہ ہند

نام ملوک	سن جلوس	سن عیسوی
ظہیر الدین بابر	۹۳۲ ہجری	بمطابق ۱۵۲۶ عیسوی
ناصر الدین محمد ہمایوں	۹۳۷	۱۵۳۰
جلال الدین محمد اکبر	۹۶۳	۱۵۵۶
نور الدین جہانگیر	۱۰۱۴	۱۶۰۵
داور بخش بن جہانگیر	۱۰۳۷	۱۶۲۷
شہاب الدین شاہ جہان	۱۰۳۷	۱۶۲۸
مراد بخش ابن شاہ جہان	۱۰۶۸	۱۶۵۸
شجاع ابن شاہ جہان	۱۰۷۰	۱۶۶۰
محمی الدین اورنگ زیب عالمگیر	۱۰۶۹	۱۶۵۹
اعظم شاہ	۱۱۱۸	۱۷۰۷
کام بخش	۱۱۱۹	۱۷۰۸
بہادر شاہ اول	۱۱۱۹	۱۷۰۸
معز الدین جہاندار	۱۱۲۴	۱۷۱۲
فرخ سیر	۱۱۲۴	۱۷۱۳

۲۰۸

شمس الدین	۱۱۳۱ ہجری	بمطابق ۱۷۱۹ عیسوی
رفیع الدولہ	" ۱۱۳۱	" ۱۷۱۹
نیکوسیر	" ۱۱۳۱	" ۱۷۱۹
ناصر الدین محمد شاہ رنگیلہ	" ۱۱۳۱	" ۱۷۱۹
ابراہیم	" ۱۱۳۲	" ۱۷۲۰
احمد	" ۱۱۶۱	" ۱۷۴۸
عز الدین عالمگیر ثانی	" ۱۱۶۷	" ۱۷۵۴
شاہجہاں ثالث	" ۱۱۷۴	" ۱۷۶۰
جلال الدین شاہ عالم	" ۱۱۷۳	" ۱۷۵۹
بیدار بخت	" ۱۲۰۳	" ۱۷۸۸
محمد اکبر شاہ ثانی	" ۱۲۲۱	" ۱۸۰۶
بہادر شاہ ظفر	۱۲۵۳ - ۱۲۷۵	۱۸۳۷ - ۱۸۵۷

ہماری دیگر مطبوعات

داصف علی داصف	شب چراغ (شاعری)
" "	کزن کرن سورج (مضامین)
" "	دل دریا سمندر
" "	قطرہ قطرہ قندم
سید بشیر احمد سعدی سنگردی	اورنگ زیب عالمگیر (اضافہ شدہ ایڈیشن)
" "	ابن رشد
" "	حیات کشفی
منظور احمد	اکوالف تیرے درکار (منظوم پنجابی)
محمد حنیف رامے	باز آقا در زندہ رہو (مضامین)
علی سردار جعفری	ترقی پسند ادب
اقبال سلمان	کامیاب زندگی (ترجمہ)
اشفاق نور	بھوت بھوت بھوت (")
وجیہ السیما عرفانی	محسن و امحسین (")
محمد حنیف رامے	اقتصادی ترقی کا منظر و پس منظر (ترجمہ)
غلام سرور	نیا ہیرو
سید بشیر احمد سعدی سنگردی	سرورِ عالم (زیر طبع)
" "	دس پیغمبر
" "	دس ولی
" "	دس سلطان
" "	دس فاتح